

پفضلِ خداوندِ جہاں ملکِ زمین و آسمان

رسالہ

تذکرہ خیریں

مؤلفہ و مرتبہ

جناب منشی غلام حسین خاں آفاق بنارسى حنفى المذہب ملازم قدیم دربار بنارس
تلمیذ جلیل القدر نصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل مظلہ (جانشین امیر میاں)

(یہ رسالہ ابتداً ۱۹۱۷ء میں رسالہ الناظر کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہوا)

باہتمام اسحاق علی علوی

الناظر پریس چوک لکھنؤ میں چھپا

مشہور مصنفین اردو کی کتابیں

مرد غالب مرحوم	سر سید خاں مرحوم	مولوی تیزید مرحوم	مولانا آزاد مرحوم	مولانا شبلی مرحوم	نور محمد علی شاہ مرحوم
اردو کی تعلیم	مفتی ابوالفتح محمد علی	تفسیر القرآن (مجلد ۱)	تفسیر القرآن (مجلد ۲)	تفسیر القرآن (مجلد ۳)	تفسیر القرآن (مجلد ۴)
عبد مہدی	تفسیر القرآن (مجلد ۵)	تفسیر القرآن (مجلد ۶)	تفسیر القرآن (مجلد ۷)	تفسیر القرآن (مجلد ۸)	تفسیر القرآن (مجلد ۹)
دیوان غالب شمس علی	تفسیر القرآن (مجلد ۱۰)	تفسیر القرآن (مجلد ۱۱)	تفسیر القرآن (مجلد ۱۲)	تفسیر القرآن (مجلد ۱۳)	تفسیر القرآن (مجلد ۱۴)
شرح نظم و نثر	تفسیر القرآن (مجلد ۱۵)	تفسیر القرآن (مجلد ۱۶)	تفسیر القرآن (مجلد ۱۷)	تفسیر القرآن (مجلد ۱۸)	تفسیر القرآن (مجلد ۱۹)
شرح حضرت	تفسیر القرآن (مجلد ۲۰)	تفسیر القرآن (مجلد ۲۱)	تفسیر القرآن (مجلد ۲۲)	تفسیر القرآن (مجلد ۲۳)	تفسیر القرآن (مجلد ۲۴)
مولانا حالی مرحوم	سیرت خیریت	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
حیات جاوید (مجلد ۱)	سیرت خیریت	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
یادگار غالب	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
حیات حدی	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
مثنوی حالی	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
فیضیات حالی	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
مجموعہ نظم و نثر	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
مسدس حالی	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
شکوہ و منہ	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
تنویر حقوق واد	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
رباعیات حالی	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
تقنیات حالی	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
مرثیہ مرد غالب	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
یوہ کی سنا جا	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
الدینی سیر	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
تسخیر لاد خان	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
رحم و انصاف	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
چپ کی داد	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
ننگ خدمت	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
پتواریہ کا سفر	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
محب طبع	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن
تہذیب و تمدن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن	مطالب القرآن

غلطنامہ تذکرہ شیخ علی حمزہ

صفحہ	غلط	صحیح
۱	۲	۳

تصفیفات جناب صفدر مزہوری

یہ خیال جس میں شعرا اردو فارسی کی مجالس کے لطایف و ظرایف کو ترتیب دیا گیا ہے جسے گوئی اور حاضر جوابی کے بہترین نمونے دکھائے گئے ہیں قلمی اور لفظی کے ان منتخب اخبار کو لیکر جن کا کسی لطیفہ یا کچھ قصہ سے تعلق ہو اسکی مفصل کیفیت بیان کی ہو خوش غامی حضرات کے لیے تفریح طبع کا بہترین سامان ہو اس کے ساتھ ادبی اور تاریخی حنیاف ہم خزاہم ثواب کا مصداق ہو قیمت عمر رعایتی ۱۲/

مشاطہ سخن اپنی نوعیت کے لحاظ سے دنیا سے ادب میں پہلی کتاب چھو بہن مسلم القیوت اور راہ پرین فن اساتذہ کی وہ اصلا حین جمع کی گئی ہیں جو انہوں نے اپنے شاگرد رشیدین کو دین اور جن کی بدولت وہ شاعری کی دنیا میں آفتاب اور اجتاب بن کر چلے انتخاب میں صرف انہیں بالکمالوں کو لیا ہے جن کا حرف جرن قابل تسلیم تھا اور جن کو اردو دنیا سدا بنی ہے جناب ناخ - آتش - سیر - دود - غالب - موسیٰ - سیر - نیم - دہوی - انیس - دیر - امیر - داغ - چلم - جلال - ایسی ہر تیا ان ہنہن ہیں کہ ان کی اصلا حات قابل توجہ نہ ہوں - شاعرانہ مذاق رکھنے والے حضرات کے لیے نایاب تحفہ ہے - قیمت عمر رعایتی ۱۲/

مرقع ادب ہندوستان کے مشہور اشعار و ناول - امیر - داغ - حلیل - اکبر - حالی - ریاض - آزاد - برم - ہمدی - غیرہ نامور اہل قلم کے پرا ز معلوات خطوط کا مجموعہ ایک ایک فقرہ متیوں کی لاسی ہے قیمت حصہ اول پندرہ رعایتی عمر دور فلک لکھنؤ کا درو ایکڑ واقعہ امیر داغ کا موزارہ محبت کی تصویر قیمت ۱۲/ رعایتی ۱۲/

لئے کا جہ - صدیق - بکند - لکھنؤ

۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱

مطبوعات الناظر پریس لکھنؤ

گواحد اردو - اردو زبان کی سب سے پہلی جامع مینٹو

اور اصول قواعد - اردو لکھنؤی عبدالحق بی اے
سکرٹری انجمن ترقی اردو - قیمت ۸

محاربات صلیبی - صلیبی لڑائیوں کے حقیقی حالات
جو انکی ایک سچی جامعیت نے شائع کیے اور مذہبی تعصب

کے باوجود سما فوکی اولو اعز میں گنا اعتراض کیا جو قیمت ۸
الاحسان - تصوف کی تاریخ اور اسکی درجہ بدرجہ

ترقی کے حالات - قابل دید رسالہ - قیمت ۸

واقعات کر بلا - میراثیں کے ایک ہی بحر کے
مٹیوں کا انتخاب ایسے شعل سے مرتب کیا ہے

کہ ابتدا سے انتہا تک کل مناظر آنکھوں کے سامنے
پھر جاتے ہیں - قیمت ۸

میلا دابن جوڑی - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ولادت با سعادت کے متعلق یہ مہرین کتاب ہے

میں کمال انشا پرداز کی کے ساتھ تمام واقعات صحیح
بیان ہوئے ہیں اہل عربی کیا ابتدا و ترجمہ عجیب قابل دید قیمت ۸

شہر فرائش - شکسپر کے مشہور ڈرامے "ہنری ثی ففٹھ"
کا اردو ترجمہ - اردو انشا پرداز کی کا بہترین نمونہ قیمت ۸

حیات نظامی - مولانا نظامی گنجوی تصنیف سکندر
کے حالات زندگی - قیمت ۸

اصول نسخ - لکھنؤ کے مشہور خوشنویس فنکار علی رضا
مرحوم نے جن کی عمر کا آفتاب غروب کے قریب چمکا

اپنی ساری عمر کے مشق اور تجربہ کی بنا پر اس کتاب میں
وہ اصول اور طریقے لکھ دیے ہیں جن سے خوشنویس کو

خط نسخ حاصل کرنے اور اس میں کمال پیدا کرنے میں آسانی
ہو - اصولاً و عملاً ہر طرح اس فن کی یہ ایک جامع

مستند اور کارآمد کتاب ہے - قیمت ۸

زور و شپاں - اردو میں اپنے طرز و انداز کا سب سے
پہلا اور دلچسپ ڈراما - انکی ابتدا میں مولانا شہر

مرزا رسوا بی لکھے - مولوی سید سلیمان ندوی، اور
مشر سجاد حیدر دلیدم کی دلچسپ تقریفات

پڑھنے کے قابل ہیں - قیمت ۸

جھیل و بٹینہ - عرب کی سرزمین پر حسن و عشق کی
جہنم بند کی کہانیاں مولوی جواد علی خاں جیسے ادیب

کا یہ پُر لطف فسانہ دیکھیے - قیمت ۳

شوکیہ ورد و مظلوم بہنیں - ایک درد انگیز فسانہ
از جناب قیصر بھوپالی - قیمت ۸

مساوات - مشر جوش کا بیظرفسانہ قیمت ۸

اتفاقات زمانہ - مشر جوش کا دلچسپ فسانہ قیمت ۸

مکفرن اور ویسی - منشی احمد علی شوق قدوائی کا
ایک پُر لطف ڈراما - قیمت ۲

ایک دان خدایست - از سرسید احمد خاں قیمت ۸

مثنوی صبح امید - مولانا شبلی رحیم کی سب سے قدیم اردو نظم ہے

حال ہی میں انشاظر پریس نے نئی دفعائی سے چھاپا ہے - قیمت ۸

تذکرہ شیخ علی حنیس

۱۹۱۷ء کو میں اپنے ایک دوست کے عقد میں شہرکت کی غرض سے بھام گونی گنج گیا تھا۔ یہ مقام ضلع بھدہی (اسٹیٹ بنارس) میں شامل ہے اور بنارس سے سولہ سترہ کوس کے فاصلے پر جانب گوشہ جنوب مغرب واقع ہے۔ واپسی میں علی الصباح اسٹیشن بنارس چھاؤنی پر اترا چند احباب بھی ساتھ تھے۔ عجب اتفاق کہ اس بڑے اور مشہور اسٹیشن پر اُس وقت کوئی گاڑی یا آگہ نہیں ملا۔ دوستوں کی رائے ہوئی کہ شہر تک ٹہلتے ہوئے چلیں۔ شہر میں رام نگر پونچھ کے لیے متحدہ گاڑیاں اور بکثرت کیے مل جائیں گے، یا دریا کی راہ بہ آسانی مکان پہنچ جائیں گے اور فرض ہم لوگ خراماں خراماں فاطمان کی راہ سے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

اس وقت میرے ساتھیوں میں علاوہ دیگر احباب کے میرے چھوٹے بھائی محمد شہباز علی شاہ اور حکیم محمد نعیم الدین صاحب بھی تھے۔ یہ صاحب حکیم محمد عطاء کریم عطاء سہسرامی مرحوم کے صاحبزادے ہیں، اور حکیم عطاء مرحوم میرے کنبی یا رشتے۔ فاطمان کے قریب پہنچ کر ان لوگوں نے شیخ علی حنیس کی قبر دیکھنے اور اُس پر فاتحہ پڑھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ قبر شیخ کی دید کاشتاق پار نہیں فاطمان کے اندر داخل ہوا۔

لے بنارس کا ایک مشہور قبرستان ہے۔ ۱۷ میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔

مرقد شیخ علی حزین کے آس پاس ہزار ہا پختہ و خام جدید و کمنہ قبریں موجود ہیں۔ انہیں کوئی قبر سنگ مرمر کی سفید نغات چکڑی ہی ہے۔ کسی قبر پر جو بن سلور کی فول چڑھی ہوئی ہے جس پر آفتاب کی شعلے پڑنے سے نظر کو خیرگی ہوتی ہے۔ بہت سی قبریں ہولی اینٹ چکر کی مگر صدا برس کی کمنہ میں، جگہ ہر سال ابرنے بارش کے چھٹے دے دے کر گھٹا سے بھی کہیں زیادہ سیاہ بنا رکھا ہے۔ اکثر پرانی قبروں کے سنگ تھوڑے جا بجا سے ٹوٹ گئے ہیں۔ کسی کا نصف پتھر غائب تو کسی کا پورا پتھر نثار دے۔ بعض بعض قبروں کو اونچے اونچے درختوں نے اپنے سائے میں لے رکھا ہے۔ کچھ قبریں گھانسون نے اپنے دامن میں چھپائی ہیں۔ ان قبروں کا یہ خطرہ دیکھ کر مجھے زیب انسان کا یہ شعر (جو انکی قبر پر کندہ ہے) یاد آگیا :-

بغیر سبزہ پوشندہ کے مزار مرا کہ قبر پوش غریباں ہیں گیا ہوں است
کچھ قبریں خام بھی تھیں، جن کا نشان اس طرح ملتا تھا کہ بعض مٹی کے ڈھیر زمین سے کچھ اونچے ہو کر بتلا رہے تھے کہ ہم بھی کسی غریب کی قبر ہیں۔ انھیں مٹی کے ڈھیروں سے بے جملے بعض گڑھے زمین سے ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ نیچے میٹھا لٹاوارث قبر ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بہت میری زبان سے نکلا کہ

کوئی اتنا بھی نہیں پوچھنے والا نکلا کیا گذرتی ہے، کو قبریں ہونے والو
جب ان قبروں سے گذرتا ہوا اُس اکیلی قبر کے پاس پہنچا جو مسجد و موصیٰ فاطمان (فاطمہ) سے زیادہ قربت رکھتی تھی اور اُس میں تصویرات و تخیلات کا بادشاہ میٹھی منید سورہا تھا۔
نہ شعر کی فکر نہ مصرعہ کا خیال، نہ مضمون آفرین کا ہوش، نہ سخن سازی کے حواس، سنگ قبر دو تین شعر جو کسی زمانے کے موزوں کیے ہوئے تھے، کندہ ہیں۔ وہی بتلا رہے ہیں کہ شیخ علی حزین نہاد ہو کر، کپڑے بدل کر، ڈیڑھ سو برس سے بھی چند سال پہلے اس سنگی قبر کے اندر مٹی کے فرش پر خوابِ استراحت میں مصروف ہیں۔ قبر پر ایک مٹی کا چراغ جو کئی راتوں کو اُس قبر پر جل چکے کی خبر دے رہا تھا، اور کچھ مرہائے ہوئے پھول جو کہ رہے تھے کہ ہم آج ہی کی رات اس

پر چڑھائے گئے ہیں پڑے تھے

ہم اور ہمارے تمام ساتھی قبر کے چوتھے پر جو بقابلہ دوسری قبروں کے اونچا نہ تھا، جو آثارِ آثار کر چڑھ گئے۔ ہمارے ساتھیوں نے بہت اشتیاق کی نظر سے قبر کا گوشہ گوشہ دیکھا اور فاتحہ خواں ہوئے۔

فاطمان سے روانہ ہونے پر اثنائے راہ میں جہاں تک سُنے سُنائے حالات شیخ کے مجھے معلوم تھے میں نے سنا دیے مگر اس سے ان لوگوں کی پوری تشفی نہ ہوئی۔ بلکہ مفصل حالات شیخ کے سُنے کا شوق بڑھتا نظر آیا۔ لہذا ان لوگوں کا بڑھا ہوا اشتیاق دیکھ کر مجھے شیخ کے مشکل حالات کے دریافت کرنے کی تلاش و فکر ہوئی۔

کتاب مفتاح التواریخ جو میرے پاس موجود ہے، وزیر کتبائے موجودہ کتب خانہ سرکارِ آقا قیام بہادر و دیگر ذرائع سے شیخ کے حالات تلاش و کیا کر رہا تھا کہ میرے ہر بان حافظ شیخ امام الدین صاحب نے جو، رجون کو میرے ساتھ تھے شیخ کی سوانح عمری فارسی، جس میں خود شیخ نے اپنی سرگذشت قلبند کی ہے، مطبوعہ سلم پریس ہائی ٹیکنالوجی، کسین سے عاریتاً لا کر مجھے دی۔ اگرچہ اُس سے مجھے مزید امداد نہیں ملی۔ کیونکہ کتب خانہ سرکارِ آقا قیام میں بھی جی سوانح عمری شیخ کی مطبوعہ پریس مفاد ہند بنارس مشاعرو موجود تھی اُس سے میں ضروری حالات کا قبلاں کر چکا تھا، تاہم میں حافظ جی کا مشکور ہوا۔

الغرض یہ حالات شیخ کے جہاں تک صحت و اختصار کے ساتھ ملے اختلافات رفع کر کے درج کیے۔

شیخ علی حزین مغفور

ایک باکمال اہل سخن گذرے ہیں۔ انکی ذاتِ بابرکات آخری دور میں فارسی شاعری کے بے

سے مایہ نوز نہیں غفور ہمارا جہاں دہراج و دیراج سری ہمارا جہاں دہراج و دیراج ہمارا جہاں دہراج و دیراج

ماہ فخر و ناز تھی۔ علاوہ کمال شاعری، و علم فضل کے معزز امرائے ایران و ذی عزت روسائے
اصفہاں میں سے تھے اور نہایت نیک نفسی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ دنیا و لذات دنیا کو ترک
کر کے غلق اللہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ گوشے میں ٹھیکریاں آہی کرتے تھے۔

نام شیخ علی، تخلص حزین، مذہب شیعہ تھا۔ شیخ تاج الدین ابراہیم، معروف بہ شیخ زہرا
گیلانی کے خاندان سے ہیں۔ نسب نامہ شیخ علی حزین کا شیخ زہرا گیلانی تک یہ ہے

نسب نامہ شیخ علی حزین بن ابی طالب بن عبد اللہ بن علی بن عطاء اللہ بن اسمٰئل بن اسحق
بن نور الدین بن محمد بن شہاب الدین علی بن علی بن محمد بن علی بن محمد بن محمد بن احمد بن محمد
بن جمال الدین بن شیخ تاج الدین ابراہیم معروف بہ شیخ زہرا گیلانی۔

شیخ زہرا گیلانی شیخ صفی الدین اردبیلی کے مرشد و خسر تھے۔ شیخ صفی الدین اردبیلی فرمایا

لے نسب نامہ میں بہت زیادہ اختلاف پایا گیا۔ مشاح التواریخ مطبوعہ ۱۳۵۹ء میں تحریر ہے کہ شیخ علی حزین،
شیخ زہرا گیلانی کی پندرہویں پشت میں ہیں، مگر سلسل نسب نامہ اس میں نہیں ہے۔ سوانح عمری شیخ مطبوعہ سلمی

دہلی ۱۳۱۹ء ہجری میں جو نسب نامہ درج ہے اس سے اٹھارہویں پشت میں اور نسب نامہ مندرجہ کلیات حزین مطبوعہ
مطبع تاجنشی فول کشور ۱۳۲۰ء ہجری سے سترہویں پشت میں شیخ زہرا گیلانی تک سلسلہ ملتا ہے مگر لفظ ہر اس میں یہ غلطی

ہوتی ہے کہ (شیخ نور الدین محمد) اور (علی یعقوب) دو نام کو سوانح عمری مذکور میں چار نام اس طرح پر دکھایا گیا ہے کہ
کہ نور الدین بن محمد و علی بن یعقوب۔ کلیات میں بھی (علی یعقوب) کو دو نام علی بن یعقوب لکھا ہے۔ تاریخ بنارس

مکیم سید مظہر حسن صاحب طبیب دربار بنارس مطبوعہ ۱۳۵۹ء میں جو نسب نامہ تحریر ہے اس میں شیخ علی حزین کو
ابن ابی طالب عبد اللہ بن علی بن عطاء اللہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی طالب عبد اللہ ایک شخص کا

نام ہے مگر ایسا نہیں ہے، ابی طالب ابن عبد اللہ صحیح ہے۔ سوانح عمری و کلیات سے صاف واضح ہے۔ ماورا
اس کے تاریخ بنارس میں جہاں شیخ کے، حیدر آباد کا تذکرہ کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ شیخ ابی طالب، شیخ

عبد اللہ کہے جاتے تھے اور شیخ عبد اللہ شیخ علی بن عطاء اللہ کہے جاتے تھے۔ سوانح عمری شیخ مطبوعہ معارف ہند بریلیں
بنارس ۱۳۵۹ء میں جو نسب نامہ درج ہے وہ مطابق تاریخ بنارس کے ہے۔

کے سجاد و نشیں اور شاہان صفویہ کے اجداد و حضرت امام موسیٰ کاظم کے اولاد سے تھے انکا
سلسلہ نسب حضرت موسیٰ کاظم سے اکیسویں پشت میں ملتا ہے۔ بادشاہان صفوی اسی خاندان
سے تھے اسی وجہ سے صفوی کہلائے۔

شیخ صدر الدین اردبیلی شیخ صفی الدین اردبیلی کے صاحبزادے۔ شیخ زاہد گیلانی کے
نواسے تھے۔ یہ نہایت نیک و صالح تھے۔ انکی نیکی و برہنہ کاری تیمور شاہ جیسے زلی ختم بادشاہ
کو انکے مکان پر لے گئی۔ جب تیمور شاہ نے پوچھا کہ میں تمھاری کون سی خدمت کروں تو شیخ
صدر الدین نے کہا کہ اُن اسیروں کو جنھیں تم روم سے لائے ہو رہا کر دو۔ تیمور شاہ نے انکی
یہ درخواست قبول کی جس وجہ سے وہ احسان مند ہوئے شیخ صدر الدین کی معتقد ہو گئے اور انکا
اعتقاد انھیں تک نہیں رہا بلکہ اُن قوموں کی اولاد نے شیخ صدر الدین کی اولاد کا بہت عہد تک
ساقہ دیا۔

کتاب نفاح التوابع میں تاریخ وفات شیخ صفی الدین اردبیلی اس طرح تحریر ہے:-

آنکہ سلطان اولیا بودہ	درۃ المتاج اصفا بودہ
دانکہ دریائے فیض عرفان است	جدّ شاہان ملک ایران است
صاحب اردبیل شیخ صفی است	کاشف کلمات مخفی و علی است
ماہ عاشورہ و دو آذ و ہسم	بود کاں قطب شد بجرن نعم
روز تکفین او دو شنبہ گو	صاحب نیک سال رحلت او

شیخ علی خزن کے اجداد شہر اشار کے رہنے والے تھے۔ شیخ شہاب الدین شہر اشار
سے لاہجان میں کہ عمدہ ترین شہر گیلان سے ہے آئے اور قیام پذیر ہوئے۔

شیخ کے والد شیخ علی بن عطاء اللہ اکین فی علم و مشہور شخص تھے۔ خان احمد خاں بادشاہ

سہ سو آخری شیخ ملبودہ سلطہ پریں دہلی ۱۱۸۱ ہجری میں یہ نام شیخ جلال الدین علی بن عطاء اللہ تحریر ہے کہ درود
نسخوں میں یہ نام صرف علی بن عطاء اللہ تحریر ہے۔

بادشاہ گیلان نے ان سے کچھ پڑھا تھا۔ اس لیے بادشاہ انکی قابلیت علمی کی کمال تعظیم کرتا تھا۔

شیخ علی بن عطاء اللہ کے صرف ایک بیٹے تھے شیخ عبداللہ جنہوں نے کل علوم و فنون کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور تقویٰ کے باعث تارک دنیا ہو کر تھوڑی سی مدتی پر بسر کرتے تھے

شیخ عبداللہ کے تین فرزند شیخ عطاء اللہ و شیخ ابیطالب و شیخ ابراہیم تھے۔ شیخ عطاء اللہ فرزند اکبر تھے جو اولاد مرے۔ شیخ ابراہیم جو سب سے چھوٹے تھے خوشنویسی میں ہفت قلم تھے شیخ ابیطالب (شیخ علی حزیں کے والد) بھی نہایت خوش نویس تھے سترجلہ کتابیں انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی انکے کتب خانے میں موجود تھیں۔

شیخ ابیطالب بعد تحصیل علم ضروری میں برس کی عمر میں بغرض صحبت علمائے عراق اصفہان میں آئے اور آقا حسین خوانساری سے درس لینے لگے۔

بحالت قیام اصفہان انکی شادی حاجی عنایت اللہ اصفہانی کی لڑکی سے ہوئی جو شیخ علی حزیں کی والدہ تھیں۔ جب سے شیخ ابیطالب کی شادی حاجی عنایت اللہ کی لڑکی سے ہوئی شیخ ابیطالب اصفہان میں رہنے لگے۔

تاریخ، تاریخ الاخرت، الحجری روز و شبہ شیخ علی حزیں اصفہان میں پیدا ہوئے جب چار برس کے ہوئے تو کمال شاہ محمد شیرازی نے جو اُس وقت کسی ضرورت سے وارد اصفہان تھے بسم اللہ کرائی۔ آٹھ برس کی عمر میں ملا حسین قاری اصفہانی سے قرآن مجید پڑھا۔ دو برس میں قرآن مجید ختم کر کے فارسی کی چند کتابیں نظم و شعر پڑھیں۔ پھر سالہ صرف و نحو و فقہ حفظ کر کے چند سالے منطق کے پڑھے۔

طبیعت موزوں ذہن رسا پایا تھا۔ شعر گوئی کی طرف رجوع ہو گئے۔ ہر چیز انکے اُستاد سے سیکھتے تھے مگر انکا میلان طبع اسکو چھوڑنے دیتا تھا۔ جو کچھ یہ موزوں کرتے تھے پوشیدہ

تاریخ تبارس مطبوعہ ۱۲۹۵ھ میں تاریخ پیدا میں شیخ ۲۰ رجاوی الاخرت ۱۲۹۵ھ تحریر ہے جو غلط ہے۔ ملاحظہ ہو

سیاحات حزیں مطبوعہ مطبع نامی نوکشتور ۱۲۹۵ھ ہجری صفحہ ۱۰ و مفتاح التواریخ صفحہ ۵۲۴۔

رکتے جاتے تھے

چند روز کے بعد فرط محبت سے انکے والد نے خود پڑھانا شروع کیا۔ کئی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ اسی دریاں میں اپنے والد کے ہمراہ لاجان اپنے چچا شیخ ابراہیم کے پاس گئے۔ اور ایک سال تک ہاں مقیم رہ کر اپنے والد کے پاس سے اپنے چچا سے رسالہ خلاصۃ الحساب پڑھا۔ پھر وہاں سے واپس آئے پر ماجی محمد طاہر اصفہانی و حکیم شیخ عنایت اللہ گیلانی سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اسکے بعد انکے والد نے خواہش تربیت شیخ خلیل اللہ طائفانی کے سپرد کیا۔ تین برس تک انکی خدمت میں رہ کر مستفید ہوئے۔ یہ بزرگ شیخ کو شعر گوئی سے منع نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی کبھی خود حکم دیتے تھے کہ کچھ سناؤ۔ تخلص حزیں انھیں کا عطیہ ہے۔

جب خلیل اللہ طائفانی نے سفر آخرت اختیار کیا تو شیخ بہاء الدین گیلانی سے درس لینے لگے اور فرط شوق و ذکاوت سے مختلف فنون و علوم کی کتابیں، جنکو پڑھنا تھا، مطالعہ کیا کرتے تھے اور مواضع مشکلہ کو اپنے والد سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح بہت سی کتابیں جو پڑھی نہ تھیں حل ہوتی گئیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ طاعت و عبادت کا بھی شوق بڑھتا جاتا تھا۔ مگر باوجود کثرت شغل و وظائف کے شیخ کو صحبت شعرا و شغلائے شعر و سخن سے کمال پسند رہا کرتی تھی۔

ایک روز انکے والد کے پاس چند شعرا جمع تھے، انکے والد نے جو انکی مخفی شاعری کا حال جانتے تھے انکو بھی بلوایا۔ شعر نے حاضرین میں سے کسی نے ملائمت کا شئی کا یہ شعر پڑھا

اے قامت بلند قداں در کند تو رعنائی آفریدہ قہر بلند تو

انکے والد نے انکی طرف متوجہ ہو کر کہا مجھے علم ہے کہ تم کو شاعری کا شوق ہے اگر ہو سکے تو اس طرح میں چند شعر موزوں کرو شیخ نے اُسی وقت ایک مطلع موزوں کیا۔ جب انکے والد کی آنکھیں دوبارہ نظر پڑی اور وہ سمجھے کہ یہ کچھ کہا چاہتے ہیں مگر ادب و حجاب مانع ہے تو پڑھنے کی اجازت دی شیخ نے فوراً یہ مطلع سنایا۔

صد از جزم کند خم جہر بلند تو فریاد از قطب اول شکین کند تو

حاضرین طبع بہت محفوظ ہوئے فرطِ مسرت سے اُچھل پڑے احسنتُ آفریں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اسی اثنا میں شیخ نے دوسرا شعر سنایا

شدر شکِ طور از ادانت کوئے عاشقان بنش کہ با دُخرو د جانہا سپند تو

الغرض اسی طرح تھوڑے تھوڑے غوروائل میں دوسرے اشعار موزوں کر کے سنائے۔ حضار نے بہت تقریب کی۔ اور کہا کہ اس طرح فی البدیہہ اشعار موزوں کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ انکے والد نے بہت خوش ہو کر کہا اب میں نے اجازت دی تم شعر کہا کرو مگر اسقدر شہک نہ ہو جاؤ کہ وقت ضائع ہو۔

اُسی زمانے میں شیخ کو چند اجاب کی صحبت میں گھوڑا دوڑانے کا شوق ہوا۔ ایک روز چند دوستوں کے ساتھ گھوڑا دوڑا رہے تھے کہ گھوڑے سے گر پڑے اور اپنے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ایک سال تک صلاح میں نہ آئی۔ شیخ نے بایں ہاتھ سے کھنکھائی مثنوی کی۔ اُسی وقت ایک مثنوی ساتی نامہ لکھا جس کا ابتدائی شعر یہ ہے

ندایا توئی آگہ از راز و بس بہشت از تو دارند پاکاں ہوں

من دستی و کج میخانہ بہ آزادیم خطِ پیمانہ

واقعات کے دیکھتے ہوئے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے تحصیل علم و حصول فیضِ صحبتِ علما کے لیے بہت دور دراز کے سفر اختیار کیے اور سجدِ جہانی تکلیفیں گوارا کی ہیں۔

اب تک شیخ نے تنہا گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا والدین کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے تھے

کہ بغرض تحصیل علم دارالافتل شیراز کے دیکھنے کا اشتیاق ہو گیا۔ والدین سے اجازت کے

خواستگار ہوئے۔ الفتِ پدری، جو خداوندِ عالم نے ہر ذی روح میں خلقی پیدا کی ہے، کبھی اسکی

تقصی نہیں کہ نورِ نظر کو، آنکھوں کے سامنے سے، دم بھر کے لیے بھی اوجھل ہونے دے۔ قصوں

ایسے لائق اور ہونا رہیے کہ۔ لیکن انکے والد نے جو خود ایک فی علم و قابل شخص تھے اور اپنے

بیٹے کو سپریم کا مہر تاباں بنانا چاہتے تھے دل پر نہایت جبر کو ادا کر کے اجازت دے دی۔

شیخ لجازت پاتے ہی خوشی خوشی ہسنان سے روانہ ہو کر بعد قطع منازل طے مرہل
 شیراز میں داخل ہوئے اور شیخ محمد مسیح فنائی سے کہ جو آقا حسین خوانساری کے شاگرد
 تھے درس لینے لگے۔

کئی سال تک شیراز میں مقیم رہ کر چند کتابیں شیخ محمد مسیح فنائی سے پڑھیں۔ اور جب
 تک شیخ محمد مسیح زندہ رہے دوسرے سے درس نہیں لیا۔ بعد وفات شیخ محمد مسیح فنائی کے
 چند کتابیں مولوی لطف اللہ شیرازی و باقر صوفی سے پڑھیں۔

عرصہ دراز تک شیراز میں مصروف تحصیل علم رہنے کے بعد شیراز سے روانہ ہو کر
 محال بیضاے فارس آئے۔ اگرچہ یہاں بھی چند قریہ مہورہ کے شہریت بالکل نہیں رہی تھی
 مگر اس مقام کو خوبی آپ ہو اسے ممتاز، مکانات و شکار گاہ سے دلچسپ پایا۔ چند روز
 وہاں قیام کیا اور وہاں کے علماء و فضلاء کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔

محال بیضاے فارس سے روانہ ہو کر اردکان فارس گئے۔ وہاں عبدالکریم ارکانی
 سے کہ عابد و عالم تھے علم نجوم میں کامل و متدکاہ رکھتے تھے، چندے صحبت رہی۔ وہاں سے
 پھر شیراز واپس آئے۔ چند روز شیراز میں قیام کر کے شہر فسا ہوتے ہوئے شہر گادرون کی
 طرف روانہ ہوئے۔ شہر گادرون میں پہونچ کر معلوم ہوا کہ عارف ربانی شیخ سلام اللہ سولستانی
 جنکا سلسلہ شائخ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، دنیا سے کنارہ کش ہو کر
 پاڑ میں گوشہ نشین ہیں، انکی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے ایک گانوں میں ٹھہر گئے
 وہاں کے رہنے والوں سے معلوم ہوا کہ یہ بزرگ کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے۔ مگر شیخ
 کو ان سے اعتقاد خاص تھا۔ تعذیر راہبر ہوئی، حضوری حاصل ہو گئی۔ چند روز حاضر رہا
 کے بعد شیخ نے یہ تمنا ظاہر کی کہ بقیہ زندگی اسی مقام پر بسر کروں مگر انھوں نے اجازت
 نہ دی۔ اور رخصت کیا۔ شیخ کا قول ہے کہ اس وقت تک مجھے جب قدر و فیض سادت و خیر
 میسر ہوئی ہے انھیں بزرگ کی برکت اور نظر اشفاق کا نتیجہ ہے۔

شہر کا ذروں سے روانہ ہو کر شہر سولتان و شہر ہرم و خطہ لار ہوتے ہوئے بند عباس آئے اور بقصد مکہ معظمہ جہاز پر سوار ہوئے۔ خوبی قسمت سے جہاز ہی پر بیمار ہو گئے۔ جب جہاز ساحل عمان پر پہنچا ابھی جہاز سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ اکثر مسافر جنگل میں پڑے رہ گئے۔ شیخ بھی اسی حالتِ علالت میں پڑے رہے۔ جب صحت ہوئی تو زمانہ حج گزر چکا تھا۔ وہاں سے واپس ہو کر جزیرہ بحرین آئے۔ یہاں سے ساحل فارس بند بندہ و کنگ میں آ کر شیراز چلے آئے۔

اس سفر میں شیخ نے ملک فارس کی اچھی طرح سیر کر لی۔ اب انکے دل میں یہ سمانی کہ دنیا و لذات دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں میں کسی مقام پر جہاں گوشہ و پانی ہو، گوشہ نشینی اختیار کروں اور خلق خدا سے کنارہ کش ہو کر جو کچھ خدا نے اچھی پر قناعت کروں، لیکن کل امر مہیون باد تھا۔ اُس وقت شیخ کا یہ خیال پورا نہ ہو سکا، انکے والد کی تحریر پڑھے اصرار کی ملی جلی دیکھتے ہی شیخ کا دل بچپن ہو گیا فوراً بہ ارادہ اصفہان شیراز سے روانہ ہوئے۔

اصفہان میں پہونچ کر والدین کی قدمبوسی حاصل کی، بھائیوں سے ملے۔ شیخ کے والدین نے چاہا کہ انکی شادی کر دیں مگر شیخ نے اپنے اشتغالِ علمی کو مانع سمجھ کر انکار کیا اور تہنہ و دو فایع البالی کو اُنسب سمجھا۔

سال ۱۰۷۱ ہجری میں انکے والد شیخ ابی طالب نے دنیا سے رحلت کی اور دو سال کے بعد انکی والدہ نے بھی جنت کا راستہ لیا۔ اب گھر میں بجز ایک ضعیفہ جدہ ماموری اور دو بھائیوں کے کوئی نہ رہ گیا۔ انکے چچا شیخ ابراہیم جو لاہجان میں انشام جاگیر کرتے تھے وہ پہلے ہی مر چکے تھے۔ شیخ ان صدقوں سے بہت منہموم رہا کرتے تھے۔ اور انکے دل میں دنیا کی طرف سے نفرت اور گوشہ نشینی کی رغبت بڑھتی جاتی تھی۔ لیکن جب پساہ گاہ کی بیکسی پر غور کرتے تھے تو مجبور ہو جاتے تھے۔

کل جاگیر و علاقہ شیخ کا صوبہ گیلان میں تھا۔ انکے چچا کے مرنے اور کسی غمخوار کے منتظم

نہ ہونے سے اُسکی آمدنی میں جسپر اُنکے تمام اخراجات کا وادارہ تھا، روز افزوں کمی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس اطراف میں جہاں جاگیر و علاقہ تھا روس کا قبضہ ہو گیا اور وہ ذریعہ آمدنی کا قطعی جاتا رہا۔ اس کثرتِ حزن و ملال میں بجز مشغلہ شعر و سخن کوئی دمساز و دلدواز نہ تھا جو دم بھر بھی انکا غم غلط کرتا۔

چرخِ ستمگار اس پر بھی خاموش نہ بیٹھا یعنی شیخ اسی رنج و غم میں مبتلا تھے کہ ایران کے سبزل کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ افغانیوں نے حیر و بس خاں قندھاری کو سردار بنا کر ایران پر حملہ کیا۔ میر و بس خاں اصفہاں پہنچا اور شاہ نواز خاں ماکم اصفہان کو قتل کر کے ماکم شیخ ابن بیٹھا۔ شاہ حسین صفوی ابن سلیمان صفوی سے جسکی فوج ایک مدت سے آرام طلبی کی مادی ہو رہی تھی تدارکِ انسداد قرار واقعی نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ میر و بس خاں کا انتقال ہو گیا اُسکے بعد اُس کا بیٹا محمود خاں قندھاری اسکا جانشین ہو کر کرمان یزد میں پہنچا اور قتل و غارت کرتا ہوا اصفہان میں آیا۔ یہاں بھی لوٹ اور غارتگری شروع کر دی۔

اسی لوٹ میں اہل شہر کے ساتھ شیخ کا بھی تمام مال و اسباب و کتب خانہ جس میں قریب ایک ہزار جلد کتابیں لٹ گیا۔ شیخ کے دونوں بھائی وجہہ مادی کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ شہر کے لوگ ہر گوشے سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔ یکم محرم ۱۰۳۵ ہجری کو شیخ بھی تبریز میں اصفہان سے نکل کر قریب کے ایک گاؤں میں پوشیدہ ہو رہے۔

۵۔ ۱۰ محرم ۱۰۳۵ ہجری کو شاہ محمود قندھاری نے شاہ حسین صفوی کو قید کر کے تمام شہر پر اپنا قبضہ کر لیا۔ شیخ یہ خبر سنا کہ اُس گاؤں سے روانہ ہوئے اور خوانسار میں چلے گئے۔ خوانسار سے حرم آباد جو لرستان فیلی کا دار الحکومت تھا پہنچے۔ یہاں علی مرداں ماکم حرم آباد کے ہاں جو شیخ کا شناسا تھا، مقیم ہوئے۔ علی مرداں بوجہ علم و فضل کے شیخ کی بہت عزت و احترام کرتا تھا۔

بوجہ مدماتِ متواتر و هجومِ رنج و محن شیخ کے قولے داغی بیکار ہو گئے تھے اور کوئی مصلحت

صفیہ خاطر پر زندہ گئی تھی۔ ایک سال اسی حالت میں گزری۔ جب صحت ہوئی تو خرم آباد کے معززین و علمائے اعلیٰ اور صحبتِ احباب سیر مقامات میں بسر ہونے لگی۔

شاہِ طہاسب ثانی پسر شاہ حسین صفوی بعد قید پر خیالِ تدارکِ فاعنہ آذربائیجان میں مقیم تھا کہ آمد لشکرِ روم کی خبر معلوم ہوئی۔ شاہ طہاسب مع لشکرِ قزلباش فوجِ روم سے برسرِ پیکار ہوا۔ روم کی جماعت کثیر ہونے کے اسوا فوجِ روم کو برابر مدد پہنچتی جاتی تھی، اس وجہ سے شاہ طہاسب روم کی فوجِ ظفر و جگر کو روک نہ سکا۔

سپہ سالارِ روم نے خرم آباد پر حملہ کرنا چاہا۔ علی مرداں ماکم خرم آباد نے یہ خبر سن کر چاہا کہ خود شہر کو غارت اور خراب کر کے اور رعایا کو ساتھ لیکر کسی پہاڑ پر چلے جائیں کیونکہ فوجِ روم کا مقابلہ کرنا اور ان پر فتیاب ہونا مشکل ہے۔ شیخ نے بنظرِ ہمدردی یہ رائے دی کہ ایسے شہرِ رشکِ ارم کو اپنے ہاتھوں خراب کر کے خلقِ امت کو پیشانی میں ڈالنا، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو سر ہلاکت رکھنے سے بہتر یہ ہے کہ تمام لوگ شفق و مستعد ہو جائیں اور دشمن کو روکنے کی کوشش کریں۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور باہم عہد و پیمان ہونے کے بعد سب نے مسلح ہو کر حصار و قلعہ کو مستحکم کیا۔ رومیوں نے آذربائیجان سے چل کر بہان پر حملہ کیا اور بعد جنگِ ایرانوں سے بہان لیلیا اور بہت سے معزز نامی اشخاص کو گرفتار کر لیا۔ ان قیدیوں میں کچھ احبابِ شیخ کے بھی تھے۔ جبکہ شیخ غیروں کے ساتھ ہمدردی و احسان کرنے کے عادی تھے تو اپنے دوستوں کو قید میں دیکھنا انکی حمیت اور ہمدردی کے کتبایانِ شان تھا جس وقت شیخ نے اپنے دوستوں کا قید میں جانا سنا، بچپن ہو گئے۔ اپنی جگہ پر خاموش نہ بیٹھ سکے۔ تشریف آرمیوں کو ہمراہ لیکر روم کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکرِ روم میں اکثر معززینِ کرمان شاہاں بھی تھے اور وہ لوگ شیخ کے قدیم شناساؤں میں تھے۔ شیخ نے ان لوگوں کے ذریعے سے تمام قیدیوں کو رہائی دلائی اور وہیں محفوظ میں پہنچا کر آپ خرم آباد چلے آئے۔

شیخ ان لوگوں کو پہنچا کر آپ خرم آباد آئے گراں خرم آباد کو بھی سپاہِ روم کے خوف سے

خالی نہ پایا۔ اس لیے وہاں سے روانہ ہو کر بصرہ آئے۔ بھرے آنے پر خیال آیا کہ حج کا زمانہ قریب ہے۔ فوراً بصرہ سے روانہ ہو کر بغداد آئے۔ یہاں جہاز لے کر کھل رہا تھا سولہ ہو گئے۔ چالیس روز کی مسافت طے کر کے جہاز ساحل میں پر ہونچا۔ ع۔ تقدیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی۔ شیخ اس مرتبہ بھریا ہو گئے۔ اور زمانہ حج گزر گیا۔ شیخ نہایت افسوس کے ساتھ اسی حالت بیماری میں واپس ہو کر بصرہ و لڑتھان غلی ہوتے ہوئے خرم آباد آئے۔

شیخ بحالت بیماری خرم آباد میں مقیم تھے کہ احمد پاشا ابن حسن پاشا سردار روم کے آنے کی خبر مشہور ہوئی۔ اور یہاں کے لوگ بھاگ بھاگ کر پاڑوں میں جا چکے۔ شیخ بوجہ علالت مع چند خدمتگاروں کے وہیں رو گئے تھے کہ احمد پاشا فوج طغرلوج شہر میں داخل ہو گیا۔ اب شیخ نے تنہا رہنا مناسب نہ سمجھا اور لشکر روم میں چلے گئے۔

سردار روم نے اپنی طرف سے ایک شخص کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے وہاں سے مرا کی شیخ بھی انھیں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ بسبب ضعف و بیماری کرمان شاہاں میں آکر رہ گئے۔ جب بخوبی صحت ہو گئی تو کرمان شاہاں سے روانہ ہو کر بغداد پہنچے اور بغداد سے کربلائے معلیٰ و نجف اشرف میں تین سال مقیم رہے۔ یہاں سے بقصد شہد و خراسان روانہ ہوئے۔ مگر جنگ کا زمانہ تھا۔ تمام راستہ مخدوش ہو رہا تھا، شہد نہ جاسکے پھر کرمان شاہاں میں پہلے آئے۔ یہاں سے آذربائیجان آئے مگر یہاں بھی آب و دانے نے رہنے نہ دیا۔ اردبیل و گیلان ہوتے ہوئے شہر استارا میں جو کسی وقت شیخ کے اجداد کا وطن تھا، آئے۔ اُس وقت شہر استارا میں سیمچی خاں حاکم تھا، بوجہ قابلیت علی شیخ کی بہت قدر کی اور قیام کے لیے مصر ہوا۔ شیخ اُسکے اصرار سے چند روز استارا میں مقیم رہے۔ یہاں شیخ کے چند ہمراہی طاعون میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئے اس وجہ سے شیخ وہاں سے روانہ ہو کر بازندراں آئے۔

جب شاہ طہاسب فوج روم سے برسرِ پیکار تھا، افغانوں نے موقع پا کر سرحد خراسان

ملک قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ حصے کے مالک تو افغان ہو گئے تھے بقیہ حصہ خراسان پر ملک محمود ہستانی حاکم نیروز جو شاہی نکلوار تھا، بادشاہ سے منفرت ہو کر قابض ہو گیا اور خود صاحب سکہ و خطبہ ہو کر مشہد میں مقیم تھا۔ بادشاہ طہاسب میں قوت بخار بہ باقی نہیں رہ گئی تھی جو ملک محمود کو اُسکی خود سری کی سزا دے سکتا۔ بادشاہ اسی فکر میں تھا کہ ایک جماعت استر آبادی اور چند دیگر گروہ آ کر لشکر شاہی میں شامل ہوئے۔ جب بادشاہ کی طرف جمعیت کا فی ہو گئی تو شاہ طہاسب اور ملک محمود میں مقابلہ ہوا۔ چند روز تک خونریز جنگ ہوتی رہی بالآخر ملک محمود قید ہوا اور قید میں ہلاک کر دیا گیا۔

جو گروہ اس جنگ میں شاہی لشکر کے مددگار اور شاہ طہاسب کی فتح میں ساعی ہوئے اُن میں سے ایک گروہ کا سردار نادر قلی بیگ بھی تھا۔ آدمی شجاع و بہادر تھا۔ جب شاہ طہاسب نے اس جنگ میں اُسکی کارگذاریاں دیکھیں تو یہ خیال کر کے کہ شاید اُسکی بدولت ایران کی زوالی حالت میں ترقی کی صورت پیدا ہو، نادر قلی کو خراسان کی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ تقدیر راہبر تھی، رفتہ رفتہ موردِ الطاف شاہی ہو کر بہت بڑے مرتبے پر پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ طہاسب قلی خاں خطاب پایا۔ تمام ملکی انتظامات اُسکے ہاتھ میں دے دیے گئے اور اُس کو پورا استقلال ہو گیا۔ طہاسب قلی خاں کی روز افزوں ترقی و سرفرازی دیکھ دیکھ کر دوسرے امرا و اہل اکین دل ہی دل میں بُرا مانتے تھے۔ طہاسب قلی خاں بھی اُن امرا و اربابِ مناسب سے صفائی نہ رکھتا تھا، بلکہ اُن لوگوں کو خارِ راہ سمجھتا تھا۔

جب بادشاہ طہاسب مشہد میں مقیم تھا، شیخ مازندراں سے روانہ ہو کر استر آباد پہنچے ہوئے مشہد آئے اور بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے خیال اُنکے علم و فضل کے بہت عزت کی۔ شیخ اراکین سلطنت میں شامل ہو کر بادشاہ کے حضور میں رہنے لگے۔

لے نادر قلی، امام قلی گڈڑیے کا بیٹا تھا۔ سالہ ہجری میں پیدا ہوا۔ ابتدا میں بہت غریب شخص تھا۔ ایک عرصہ تک لوٹیروں کے گروہ میں رہ کر لوٹ مار سے گذر اوقات کرتا رہا۔

ماہ صفر ۴۲۰ھ ہجری میں اشرف خاں افغان محمود شاہ قندھاری کا چچا زاد بھائی فوج لیکر خراسان کی طرف متوجہ ہوا۔ بادشاہ طہاسب طہاسب قلی خاں سے دیگر امرا و اراکین فوج موجودہ شہد لیکر بقصد مقابلہ روانہ ہوئے۔ بادشاہ نے شیخ کو بھی ہمراہ چلنے کا حکم دیا۔ مجبوراً منزل اول تک شیخ ہمراہ رہے مگر منذرت کر کے عقب لشکر اطمینان روانہ ہوتے رہے۔ شیخ کو شہر سبزوار سے تپ آنے لگی۔ افغان میں پہونچ کر ٹھہر گئے۔ جب اتفاق ہوا تو شہر سارا زاندر میں آئے یہاں سے چند روز کے بعد طہران چلے گئے۔

اشرف خاں افغان بعد شکست فارس کی طرف بھاگا۔ طہاسب قلی خاں سے فوج ہٹکے عقب میں مامور ہوا۔ شیراز میں پہونچ کر افغان و طہاسب قلی خاں میں پھر جنگ ہوئی وہاں بھی افغان کو شکست ہوئی۔ پندرہ روز کے بعد خطہ لار میں پہونچا وہاں سے بھی شکست کے بعد قندھار اور قندھار سے بلوچستان پہونچا۔ ہر جگہ اسکے ہمراہی کم ہوتے جاتے تھے بلوچستان میں پہونچنے پر صرف دو تین ہمراہی باقی رہ گئے تھے، پسر عبد اللہ بلوچ نے اشرف خاں افغان کو قتل کر کے اُسکا سرع ایک وزنی ہیرے کے جو اُسکے بازو پر تھا طہاسب شاہ کے پاس بھیج دیا۔

طہاسب قلی خاں اشرف خاں افغان کو شکست دیکر فارس سے روانہ ہوا۔ عربستان ارستان فیلی ہوتا ہوا قلمرو علیشکر میں آکر حاکم ہمدان و لشکر روم سے برسرِ پیکار ہوا اور فتح پائی۔ وہاں سے آگے بڑھتا ذریاباںچان پہونچ کر رومیوں سے جنگ کی۔ تبریز کو رومیوں کے قبضہ سے چھوڑا لیا، اور آب اس کے ایک طرف قبضہ کر کے حکام مقرر کر دیے اور دوسری طرف امرے روم سے صلح کر لی۔ قلعہ ہرات خالی پا کر دشمن قابض ہو گئے تھے طہاسب قلی خاں انکی طرف متوجہ ہوا اور قلعہ ہرات پر جا کر قبضہ کیا۔

شیخ طہران سے روانہ ہو کر صفہان آئے۔ بادشاہ طہاسب اُس وقت صفہان میں موجود تھا۔ چھ ماہ تک بادشاہ کے حضور میں رہے۔ اس درمیان میں شیخ نے بادشاہ سے

چند مفید باتیں کہیں اور بارہا ایسی رلے دی جو باعثِ بقائے ملک و دولت تھی مگر موافقِ پیر و پادشاہ نہ ہوئی۔
 نواحِ ہمدان میں کچھ لوگ خود سر ہو گئے اور قلعہ درست کیا تھا۔ بادشاہِ طہاسب
 انکی سرکوبی اور بقیہ آذربائیجان کو چھڑانے کی غرض سے اصفہان سے روانہ ہوا۔ شیخ کو بھی
 ہمراہ لیا پایا مگر شیخ سامانِ سفر درست نہ رہنے کا عذر پیش کر کے رہ گئے اور وہاں سے
 خیرانہ چلے آئے۔ چند روز شیرازہ کر لارہوتے ہوئے بند عباس پہنچے اور انگریزی جہاز پر
 سوار ہو کر جدہ آئے اور ایک قافلہ کے ساتھ جدہ سے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ ایک مدت کی تما
 (رج بیت اللہ شریف) پوری ہوئی۔

بادشاہِ طہاسب اصفہان سے روانہ ہو کر نواحِ ہمدان میں پہنچا۔ وہاں احمد پاشا
 سردارِ روم سے جنگِ عظیم کے بعد صلح کر لی۔ احمد پادشاہ بغداد چلا گیا۔
 ادھر تو بادشاہ کا بہادر سپہ سالار طہاسب قلیخان جنگ اور دشمنوں کی سرکوبی میں
 مصروف تھا ادھر یہ ضعیف اقل بادشاہ طہاسب قلیخان کے مقبوضہ مقامات
 کھو رہا تھا۔

طہاسب قلیخان نے صلحِ ہمدان کو، جو بادشاہ نے احمد پاشا سے کی تھی نامنظور کر دیا۔
 اور اسی نقص کی وجہ سے طہاسب شاہ کو تخت سے اتار کر اُسکے بیٹے عباس کو جو صرف چند ماہ
 کا تھا بادشاہ نامزد کر لیا۔ پھر آپ بطور نائبِ سلطان انتظامِ سلطنت میں مصروف ہوا۔
 شہیدِ بحر میں جب شیخ عبدِ مصلح شریف بندر عباس میں واپس آئے

لے اگرچہ وہ مفید باتیں جو شیخ نے کہی تھیں معلوم نہیں ہوئیں کہ کیا تھیں مگر صورتِ حال سے یقین ہوتا ہے
 کہ ہونے والی باتیں طہاسب قلیخان کے خلاف تھیں جس وجہ سے شیخ کی طرف سے بھی طہاسب قلیخان کو کد تھا۔
 اور اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ کو عمر بھر کے لیے ایران چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔

لے یہ وہی بقیہ آذربائیجان ہے جسکی نسبت طہاسب قلیخان نے سردارِ روم سے صلحِ صلح کر لی تھی۔

لے ملاحظہ ہو تاریخِ ایران مولفہ مفتی حسینی مدرسین مبلوہ ۱۳۵۸ھ مطبعہ اردو اخبار پریس دہلی۔

تو سنا کہ ایران میں تغیر حکومت ہو گیا ہے، بادشاہ طہاسب قید کر لیا گیا، طہاسب قلی خود متصرف ہو گیا۔ یہ خبر سکر شیخ دواہ نک بندر عباس میں مقیم ہے۔ وہاں سے روانہ ہو کر صفہان آئے مگر صفہان کو چاہے اقامت نہ پایا۔ وہاں لار کے لار آئے پر معلوم ہوا کہ لار کا حاکم سابق گرفتار ہو گیا اور خانِ معظم کی طرف سے حاکم جدید مقرر ہو گیا ہے۔

حکیم خانِ معظم، محمد خاں بلوچ سردار فارس مقرر کیا گیا اُس نے باتفاق اُسے حاکم شیراز خطہ لار کا قصد کیا۔ جب محمد خاں بلوچ کی فوج شہرِ جہرم میں پہونچی اور عبد العفیٰ حاکمِ جہرم سے جو شیخ کا دوست تھا کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تو نوبت جنگ کی پہونچی۔

اُدھر تو جہرم میں جنگ ہو رہی تھی، اُدھر لار کے لوگوں میں غضب کی شورش پھیل گئی آخر کار بلوہ ہو گیا اور بلوائیوں نے حاکم لار کو مع چند غلاموں کے قتل کر ڈالا۔ طرفدارانِ خانِ معظم نے اس بلوے کو باشارہ شیخ سمجھا۔ سردار فارس جو شہرِ جہرم کو محصور کیے ہوئے تھا، اس بلوے کی خبر سنتے ہی حاکم شیراز کو مع فوجِ جہرم کے محاصرہ پر چھوڑ کر خود لشکرِ گراں کے ساتھ خطہ لار میں آ گیا۔ اور شہر میں قتل عام شروع کر دیا۔ شہر والے اپنی جان بچا کر بھاگ رہے تھے اُنھیں کے ساتھ شیخ بھی نکل گئے اور بندر عباس چلے آئے۔

احمد پاشا بعد جنگ ہمدان بغداد کی طرف چلا گیا تھا اور خانِ معظم نے صلح کو جو بادشاہ نے رومیوں سے کی تھی نامستور کر دیا تھا۔ جب یہ خبر روم میں پہونچی تو روم سے توپال پاشا سپہ سالار روم مع فوج کثیر کے امداد کے لیے بھیجا گیا اور بعد جنگِ عظیم کے خانِ معظم کو شکست ہوئی۔ لیکن خانِ معظم نے چند روز میں پھر فوج جمع کر کے ۱۷۶۷ھ ہجری میں جنگ کی اور فتح پائی۔ توپال پاشا مارا گیا اور بغداد شریف میں مقبرہ حضرت امام ابو حنیفہؒ میں دفن ہوا۔

۱۷۷۰ھ طہاسب شاہ کے تخت سے اتارے جانے کے بعد طہاسب قلی خاں کا لقب خانِ معظم ہو گیا۔

۱۷۷۱ھ تاریخِ بارس مطبوعہ ۱۷۷۱ھ میں توپال پاشا کا مارا جانا ۱۷۷۱ھ ہجری میں لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوا کیونکہ کوٹلوی شیخ مطبوعہ مسلم پریس دہلی ۱۷۷۱ھ ہجری کے صفحہ ۶۵ سطر ۹ میں (ست الجین راءتہ بعد الف) تحریر ہے۔

ٹھٹھ سے چند روز کی مسافت پر واقع ہے، آئے۔ اور خدا آباد سے سواری کشتی روانہ ہو کر تین روز کے بعد شہر بھکر میں پہنچے۔ یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے اور خراسان کے تجارتی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوتے ہیں۔ مگر مفاہرت ایران اور ان کی بیسیں سامانی نے جو ان کو ہر دم ہمچین بیکار رکھتی تھی یہاں بھی نہ رہنے دیا اور بھکر سے روانہ ہو کر مٹان آئے۔ مٹان بہت لانا چوڑا شہر نہیں ہے لیکن یہاں کے لوگ متمول زیادہ ہیں۔ یہاں بھی تہائی و ناکامی سے طبیعت پریشان رہی جی نہ لگا۔ ہزار خرابی چند روز تک مٹان میں مقیم رہ کر اپنے ہوش پریدہ و حواس ریدہ کو یہ ندا دیتے رہے۔

مطرب سلع برکش ساقی شرب وہ - ایام راجال نکلت ایواب وہ
زمانہ قیام مٹان میں بموسم گرما دریائے سندھ میں سیلاب آیا اور تمام صحرا و عمارت و مکانات پر پانی چڑھ گیا آمد و رفت بزرگ کشتی ہوتی رہی۔ جب سیلاب کم ہوا و بانی بجاریاں پھیل گئیں اور پانچ چھ مہینے تک یہ بلائیں مٹان پر نازل رہیں۔ شیخ بھی تپ میں مبتلا ہو گئے۔ اسی زمانہ سختی میں شیخ مٹان سے روانہ ہو کر لاہور آئے۔ لاہور دریائے اندس کے جو کشمیر سے آکر لاہور سے گزرتا ہوا مٹان جاتا ہے کنارے پر ہے اور بوجہ دارالقیام شاہان مغلیہ کے نہایت خوشامواؤ بے نظیر شہر ہے۔ ایک تو علات دوسرے تکلیف مسافت، شیخ لاہور میں پہنچ کر نہایت ناتوان ہو گئے تھے جب صحت ہوئی تو کچھ ایسے وجوہ پیش آئے۔ جنکے باعث شیخ کو لاہور سے روانہ ہونا اور بلا خواہش و قصد دہلی آنا پڑا۔ دہلی میں ایک سال کے قریب مقیم رہے۔

ایران کی محبت کہیں آرام سے نہ بیٹھے دیتی تھی، رہ رہ کر نشتر کی طرح دل میں چھبک کر تڑپا دیا کرتی تھی۔ کابل و قندھار کی راہ سے خراسان چلے جانے کا مصمم ارادہ دل میں ٹھان کر شیخ دہلی سے پھر لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔

ادھر تو شیخ خراسان کی تنہا میں دہلی سے روانہ ہو رہے تھے ادھر تقدیر انکی تمنا پرستی تھی۔ کیونکہ ملک ہند کی زمین شیخ کو اپنی گود میں قیامت تک سلائے رکھنے کے لیے آغوشِ زر

کھول چکی تھی۔ الغرض ۱۱۴۹ھ ہجری میں جب شیخ لاہور پہنچے تو یہ خبر سنی کہ نادر شاہ کی فوج بارادہ تغیر و واپسی قندھار قندھار میں موجود ہے۔ یہ خبر شکر شیخ نے اپنی نصیبی پر سخت تاسف کیا اور لاہور میں ٹھہر کر منظر رہے کہ معاملہ قندھار طے ہوا در راہ میں اسن ہو جائے تو خراسان روانہ ہوں، مگر راہ میں اسن ہونا کیسا وہ شوش جو قندھار میں پھیل رہی تھی سیلاب کی طرح پنجاب کی طرف بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں اُس بڑھتے ہوئے سیلاب نے تمام پنجاب کو گھیر لیا۔ علی الخصوص لاہور خاص میں آمد نادر شاہ سے غضب کی بلبل مچ گئی۔ جب نادر شاہ اطراف لاہور میں پہنچ گیا تو شیخ بخوف نادر لاہور سے روانہ ہو کر پھر دہلی آئے اور دو تین خدمتگاران کو لیکر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

۱۱۵۰ھ ہجری میں نادر شاہ دہلی میں آیا اور محمد شاہ بادشاہ دہلی سے سخت جنگ ہوئی۔ بالآخر نظام الملک اصف جاہ کی کوشش سے صلح ہوئی اور نادر شاہ مع فوج بتایخ ہرذیحجہ ۱۱۵۰ھ ہجری مطابق ۸ مارچ ۱۷۳۶ء شہر میں آکر قلعہ شاہجہان آباد میں اُترا اور محمد شاہ کا ممان ہوا۔ دوسرے تیسرے روز جب جنگی ٹھکانے والوں نے یہ مشورہ کر دیا کہ نادر مارا گیا، تو ارذیحجہ ۱۱۵۰ھ ہجری کو نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کا حکم دیا۔ اور ۱۶ محرم ۱۱۵۲ھ ہجری مطابق ۱۲ اپریل ۱۷۳۷ء

۱۱۵۱ھ بتایخ بنارس میں لکھا گیا ہے کہ ۱۱۵۰ھ ہجری میں شیخ لاہور سے دہلی گئے اور ۱۱۵۱ھ ہجری میں پھر بہ ارادہ واپسی خراسان دہلی سے لاہور آئے تو ۱۱۵۱ھ میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ قندھار میں لشکر قزلباش موجود ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ نادر شاہ نے ۱۱۴۹ھ میں قندھار کا قلعہ کیا۔ تیسری جگہ لکھا ہے کہ نادر شاہ قندھار ۱۱۴۹ھ ہجری میں آگئے۔ ملاحظہ ہو بتایخ بنارس مطبوعہ ۱۱۹۱ھ صفحہ ۱۱۹ سطر ۱۹ و ۱۲۰ صفحہ ۱۱۴ سطر ۱۱ و ۱۱۳ سطر ۱۰۔ اس جگہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ (۱) جب ۱۱۵۰ھ میں شیخ حج کے بعد ہندوستان پہنچے اور تغیر حکومت ایران کی خبر سنی تو پھر ۱۱۵۰ھ میں لاہور سے دہلی کیونکر آئے (۲) اور جب ۱۱۴۹ھ میں نادر کی فوج قندھار میں آئی تو شیخ نے ۱۱۵۱ھ میں لاہور پہنچ کر یہ خبر کیونکر سن لی کہ قندھار میں نادر شاہ کا لشکر موجود ہے۔

کو نادر شاہ ایران کی طرف واپس روانہ ہوا۔

مفصل حال نادر شاہ کے دہلی آنے کا یہ ہے کہ نادر شاہ نے جب افغانوں کو قندھار سے نکالا تو تمام افغان کو ہستانی کابل میں پھیل گئے اُس وقت کابل میں سلطنت ہند کی طرف صوبہ دار رہتا تھا۔ اسیلے نادر شاہ نے محمد شاہ بادشاہ دہلی کے پاس ایچی بھیجا کہ آپ بھی اپنے صوبہ کے نام افغانوں کے نکال دینے کے لیے حکم بھیجیں جس میں دونوں جانب سے دبا کر افغانوں کو قرار واقعی گونہالی دی جائے۔

وہ ایچی نادر شاہ کا راستے ہی میں مار ڈالا گیا۔ یہاں اُن دنوں عیش و عشرت کا کچھ ایسا غل بلند ہو رہا تھا کہ ایچی کے قتل کی خبر کسی کے کان تک نہ پہنچی۔ چند روز کے بعد نادر شاہ نے پھر خط لکھا مگر اُس کا بھی جواب نہ درو۔ آخر کو نادر شاہ نے خود ہندوستان کا قصد کیا۔ یہاں کانوں میں ایسی غفلت کی روٹی بھری ہوئی تھی کہ بجز ناچ گانے کے کسی دوسری خبر کی آواز ہی نہیں سنائی دیتی تھی۔ کابل و لاہور کے ماکوں کی جو عرضیاں آتی تھیں وہ بھی بغیر ملاحظہ پڑی رہتی تھیں۔ بادشاہ کو ان کے ملاحظہ کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ یہاں تک کہ نادر شاہ نے کابل کو گھیر لیا۔ کابل کے حاکم نے نہایت اضطراب کے ساتھ عرضی لکھی۔ جو قوت وہ خلیفہ محمد شاہ بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا بادشاہ تہاب باغ میں ناچ دیکھ رہا تھا، سُرو بھی بڑھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے عرضی لیکر اُس کا گوشہ شراب میں ڈبوایا اور کہا

ایں دفتر بے معنی غرق مے تاب ادلی

امیر الامرا نظام الملک آصف جاہ کی دانائی و تجربہ کاری کو اہل دربار نے ہوئے تھے اسیلے نادر شاہ کی آمد کی خبر سنا کر آصف جاہ کو بلوایا اور نادر شاہ نے کابل فتح کر کے پھر محمد شاہ کو خط لکھا۔ یہاں دربار میں یہ اُلجھن پڑی تھی کہ کئی خط اور کئی ایچی آچکے اور سرے جواب نہیں گیا۔ اب جواب کیا لکھا جائے۔ اور لکھا بھی جائے تو اس میں القاب کیا لکھا جائے! کیونکہ نادر شاہ کو کوئی خاندانی بادشاہ نہیں ہے۔ اتنے میں خبر آئی کہ نادر شاہ کا لشکر دریائے اٹک

اُتر آیا۔ یہ خبر سُکر اب یہاں بھی کوچ کی تیاری ہونے لگی۔ خانِ دوراں مقابلے کے لیے مع فوج روانہ کیا گیا۔ برہان الملک کی طلبی کے لیے اودھ آدمی بھیجا گیا۔

خانِ دوراں فوج شاہی لیکر دہلی روانہ ہوا مگر اس سستی و آہستگی کے ساتھ روانہ ہوا کہ دو مہینے میں دہلی سے کرناٹک تک جو چالیس کوس کے فاصلے پر ہے پہنچا۔ شاہی فوج براتیوں کی طرح نہر کے کنارے پڑی تھی اور برہان الملک کا انتظار ہو رہا تھا۔ جلدن اودھ سے برہان الملک آکر لشکر شاہی میں شامل ہوا اتفاق سے اُسی دن نادر شاہ بھی قریب آگیا مگر یہاں کسی کو خبر نہ ہوئی۔

چند گھنٹے زخمی و بدحواس دوڑے ہوئے آئے کہ ہم جگہ میں گھاس کھودنے لگے تھے، نادری قراولوں نے گئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا، ہم لوگ بھاگ کر یہاں تک پہنچے۔ اُدھر یہ تذکرہ ہی تھا کہ چند قبلِ باش برہان الملک کے ڈیرے پر ہاتھ مار گئے۔ یہ خبر سُکر برہان الملک فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور فوج لیکر لڑنے کو روانہ ہو گیا۔ خانِ دوراں کو جو یہ خبر ملی تو وہ بھی اپنی فوج لیکر برہان الملک کی فوج سے آ ملا۔ اُدھر سے نادر شاہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ولایتی فوج کو تین طرف سے حملے کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں شہر عیش پروردہ فوجیں پریشان ہو گئیں۔ بہت سے سردار مارے گئے خانِ دوراں بھی زخمی ہوا۔ خانِ دوراں کے زخمی ہوتے ہی لشکر میں شکست کی ہوا اُڑ گئی۔ اب صرف برہان الملک اپنے چند رفیقوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں رہ گیا اور جو اس مردی سے ہاتھی پر بیٹھا ہوا تیر مار رہا تھا کہ ایک ایرانی فوج نے چار طرف سے گھیر لیا۔ ایک سپاہی گھوڑا دوڑا کر ہاتھی کے پاس آیا۔ اور گھوڑے سے اُتر کر ساتھ کام کر ہوج میں جا بیٹھا۔ برہان الملک نے بموجب دستور ایران اپنے کو گرفتار سمجھ کر کمان ہاتھ سے رکھ دی۔ ایرانی سپاہی ہاتھی کو گھیر کر اپنے لشکر میں لے گئے نادر شاہ نے جرمِ بخشی کر کے عنایت فرمائی۔ اُس وقت برہان الملک نے موقع پا کر مصلحت آمیز گفتگو شروع کی اور نادر شاہ کو اس بات پر رضامند کیا کہ حضور ایک معقول نذرانہ لیکر ہمیں سے

واپس تشریف لے جائیں۔ نادر شاہ راضی ہو گیا۔ برہان الملک نے اس حال سے بادشاہ کو اطلاع دی اور آصفیہ کو رقمہ لکھا کہ تم آکر ہکا فیصلہ کر لو۔ محمد شاہ نے فوراً آصفیہ کو روانہ کیا۔ برہان الملک آصفیہ کو ہمراہ لیکر نادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بعد گفتگو یہ طے پایا کہ دو کروڑ روپیہ لیکر ہمیں سے ایران کو مراجعت فرمائی جائے۔ نادر شاہ دو کروڑ روپیہ لیکر ایران واپس چلے جانے پر رضامند ہو گیا۔ آصف جاہ نے واپس آکر بادشاہ کے حضور میں کل مال بیان کیا۔ دوسرے روز محمد شاہ اور نادر شاہ سے ملاقات کی ٹھہری۔ ادھر کے بادشاہ بڑے تزک احتشام سے روانہ ہوا ادھر سے نادر شاہ نے اپنے بیٹے کو استقبال کے لیے بھیجا۔ وہ راہ میں آکر ملا اور بادشاہ کے ہمراہ ہو کر نادر شاہ کے پاس لے گیا۔ نادر شاہ لب فرش تک استقبال کے لیے آیا۔ اور اپنے مسند پر نہایت تعظیم سے بٹھایا۔ آپس میں باتیں شروع ہوئیں۔ چائے کا دوہر پلنے لگا۔ حقوڑے عرصے کے بعد بادشاہ نے ہنسی خوشی مراجعت کی۔

خان دوران کے زخمی ہو کر انتقال کرنے کے بعد اس لقب و منصب کو برہان الملک اپنا حق سمجھے ہوئے تھا۔ مگر نظام الملک آصفیہ کے خطاب خلعت پانے کا حال سنا تو آتش حسد سے جل کر نادر شاہ سے کہا کہ حضور نے یہ کیا غضب کیا جو ہندوستان کے قارونی خزانہ کو چھوڑ کر صرف دو کروڑ روپیے پر رضامند ہو گئے یہ رقم تو فقط غلام ادا کر سکتا ہے۔ شہر ہلا سے چالیس کوس کے فاصلے پر ہے حضور وہاں تک تکلیف فرمائیں۔ یہ سکر نادر شاہ خوش ہو گیا اور اسی وقت آصفیہ کو بلا کر کہا کہ تم ٹھہ جاؤ اور اپنے بادشاہ کو بھی بلاؤ۔ آصفیہ نے کہا کہ عہد نامے میں تو یہ شرط نہ تھی۔ نادر شاہ نے جواب دیا کہ ملک و سلطنت اور بادشاہ کی عزت و آبرو سے ہمیں کوئی تعرض نہیں ہے فقط ایک مرتبہ ہم اور ملنا چاہتے ہیں۔

امیر الامرا نظام الملک آصفیہ نے ناچار پھر بادشاہ کو اطلاع دی اور بادشاہ کو مجبوراً پھر نادر شاہ سے ملنا پڑا۔ نادر شاہ نے بادشاہ کو عزت و احترام کے ساتھ الگ خیمہ میں اتروایا۔

ادھر تو نادر شاہ نے بادشاہ اور صفیہ کو یہاں روک لیا، اُدھر اپنے ایک سردار کو فرمان دیکر
شہر میں بھیج دیا۔ اُس نے جاتے ہی قلعہ دار سے کنجیاں لیں۔ اور تمام کارخانوں پر قبضہ کر لیا
دوسرے دن نادر شاہ محمد شاہ کو لیکر دہلی آیا اور قلعہ شاہجہان میں اُترا۔

دو تین روز کے بعد ایک نیا شگونہ کھلا یعنی بھنگیہ خانے سے دقتیہ خراڑی کو محمد شاہ
رنگیلے نے نادر شاہ کو مر وادالا۔ یہ خبر ہوا کی طرح شہر بھر میں پھیل گئی۔ اس خبر کے مشہور
ہونے کے ساتھ ہی بڑا غضب یہ ہوا کہ نادری سپاہی ایک ایک دودو جوگی کو چوں میں نکلتے
پھر رہے تھے لوگوں نے اُنھیں بے وارثہ سمجھ کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ رات کو نادر شاہ کو
یہ خبر معلوم ہوئی اُس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ سپاہی جگہ پر قائم رہیں اگر کوئی خرچہ کر آئے
تو جواب دیا جائے ورنہ پشیمانی نہ کی جائے۔ رات بھر یہی حالت رہی۔ صبح تک کئی سواری
سپاہی نکلتے۔ مگر اراکین دربار دہلی چکے بیٹھے تماشا دیکھا کیے۔ کسی کے کان پر چوں تک نہ گئی۔
صبح اٹھکر نادر شاہ نے پوچھا تو وہی حال سنا۔ دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ اُسی وقت
سوار ہو کر شہر دیکھتا ہوا چلا کہ شاید مجھے زندہ دیکھ کر اب بھی یہ طوفان بھگم جائے۔ مگر طوفان تھما گیا
اہل شہر نے اُس پر بھی پتھر برسائے بلکہ بندوقیں چلائیں۔ نادر شاہ نے شہر کے گشت میں
یہ بھی دیکھا کہ جا بجا ایرانیوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ یہ دیکھ کر آنکھوں میں خون اُتر آیا اور
قتل عام کا حکم دے دیا۔ اور آپ روشن الدولہ کی سنہری سجد میں تلوار کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اور
سپاہیوں نے گلیوں میں خون کے پر نالے بہا دیے، گھروں میں آگ لگا دی۔ اور کاغذ
خدا کا قمر تھا۔ بادشاہ اور تمام امرا بیٹھے یہ حالت دیکھ رہے تھے مگر دم نہ مار سکتے تھے۔
دوپہر کے قریب جب شہر میں کھراڑی گئی، تعداد مقتولین کی شمار سے باہر ہو گئی تو سب نے
اصفیہ سے رجوع کی۔ اصفیہ نے گلے میں تلوار ڈالی اور سر پر پہنے کیے نادر شاہ کو سامنے
جا کر کھڑے ہو گئے۔ نادر شاہ نے نظر اٹھائی تو اصفیہ کو روتا پایا۔ پوچھا کہ چری خواہی؟
اصفہ جاہ نے کہا۔

کسے نماند کہ دیگر تیغ ناز کشی مگر کہ زندہ کئی خلق را دبا ز کشی
 نادر نے شہر مار کر سر جھکا لیا۔ تلوار میان میں کی اور کہا کہ برش سفید بخشیم۔ اُسی وقت
 ایرانی نقیب شہر میں امان امان پکارتے ہوئے دوڑے۔ واہ لے نادر ی حکم۔ جس نے
 جہان سے نقیب کی آواز سنی وہیں تلوار روک لی اور دم بھر میں امن ہو گیا۔ سلطنت کے
 کاروبار کے ساتھ دونوں بادشاہوں کی صحبتیں پھر بدستور جاری ہو گئیں۔

نادر شاہ کو دہلی میں اراکین سلطنت کی حاسدانہ کارروائیوں کی بدولت دونوں ہاتھوں
 سے لوٹنے کا موقع ملا۔ اُس نے اور اُسکے ہمراہیوں نے ہمایوں کے زیورات یعنی وہ کُل
 دولت جو بابر شاہ کے وقت سے شاہان مغلیہ جمع کرتے آئے تھے میٹھی۔ یہاں تک کہ تختِ طاوس
 بھی جو شاہجہاں نے ساڑھے چھ کروڑ روپے کی لاگت میں تیار کر لیا تھا نہ چھوڑا۔ سونے
 چاندی کے چکی کے پاٹ ڈھلوا ڈھلوا کر اونٹوں پر لدوا دیے۔ غرض کہ دہلی سے اس قدر دولت
 نادر شاہ کے ہاتھ لگی کہ وہ حیران تھا کہ اسکو کیا کروں۔ چنانچہ کل فوج کو تین ماہ کی تنخواہ پیشگی دی
 اور سال بھر تک فارس کے باشندوں سے کوئی محصول نہیں لیا۔ اور صرف اسی قدر کثیر دولت
 ہی پر نہیں اکتفا کیا بلکہ محمد شاہ کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی بھی کرنے کے بعد ۱۶۷۸ء
 کو دہلی سے ایران کی طرف واپس روانہ ہوا۔

جب شیخ نے دہلی میں نادر شاہ کا آنا سنا تو شیخ کو بھلائی پیدا ہونا چاہی قلی خاں کے
 مکان میں چھپ کر اپنی جان بچائی۔ اُسی زمانے میں شیخ نے ایک قصیدہ اہل ہند کی مذمت میں
 لکھا تھا جسکی وجہ سے شعرے شاہجہاں آباد کو شیخ کے ساتھ مخالفت پیدا ہو گئی۔ اس وجہ سے
 شیخ نے دہلی میں رہنا مناسب نہ سمجھا اور تین سال کئی ماہ تک دہلی میں رہ کر بہ ارادہ بنگال
 دہلی سے روانہ ہو کر بنارس آئے۔ اور بنارس میں چندے قیام کر کے عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے۔
 عظیم آباد میں کئی سال مقیم رہے، وہاں کے علما و رؤساء سے ملے۔ ایک روز شہر کی سیر
 کو نکلے تو دیکھا کہ شہر کے اتر جانب یاے گنگا اور دکن جانب ندی جلا واقع ہے۔ شیخ کی

نفریں ملتان کے سیلاب کی تصویر بچھ گئی۔ خیال گذرا کہ کسی وقت اگر دریا اور ندی دونوں جو شراب
ہوے تو شہر عظیم آباد جو دونوں کے درمیان میں جو غراب ہو جائیگا۔ پس ایسی جگہ رہنا مصلحت نہیں
ہے۔ ایسے عظیم آباد سے روانہ ہو کر بنارس چلے آئے مگر بنارس آنے پر بھی شیخ کی یہی تمنا رہی کہ
ایران واپس چلا جاؤں لیکن خاک بنارس نے کچھ ایسے مضبوط قدم کھڑے کہ پھر ایران جانا کسی
ملک و سرزمین ہوا اور بہت سے موافقات پیش آتے گئے۔ جب شیخ کو کامل یقین ہو گیا کہ خاک ہند
مجھے ایران نہ جانے دیگی میری قبر کی جگہ ہند ہی میں ہو تو شیخ نے ہر طرف سے سیر و سیاحت ترک کر کے
بنارس کو اپنا مسکن دائمی قرار دیا اور راجہ بلونت سنگھ سابق والی بنارس سے زمین لیکر روضہ فاطمان
(فاطمہ) بنوا کر رہنے لگے۔ جس مقام پر فاطمان ہے پہلے وہ مقام صحرا میں شمار ہوتا تھا۔ احاطہ و
وروضہ فاطمہ مسجد و ششہ نشین و بلوغ وغیرہ جملہ عمارتیں مطلقہ فاطمان شیخ کی بنوائی ہوئی ہیں جو اب تک
موجود ہیں۔ مسجد فاطمان ۶۷۰ شمسی ہجری میں تعمیر ہوئی ہے۔ تاریخ تعمیر مسجد شیخ کی لکھی ہوئی یہ ہے۔

جہر خاک تہ دریں مسجد کز بر اے عبادت است اینجا

ہر تاریخ اس بنا ہا تفت گفت - درگاہ حاجت است اینجا

راجہ بلونت سنگھ سابق والی بنارس کو جو علما و فقرا کو بہت دوست رکھتے تھے شیخ سے
معلوم خاص تھا۔ ایسے شیخ کی نہایت عزت کرتے تھے اور کبھی کبھی خود شیخ کی قیام گاہ پر جایلا
کرتے تھے۔ شیخ بھی راجہ مدوح سے نہایت محبت سے پیش آتے تھے اور راجہ کی ترقی عمر و دولت
کے لیے دعا گو رہتے تھے۔ راجہ مدوح اپنے صاحبزادے راجہ جیت سنگھ کو جو اس وقت
بہت صغیر سن تھے کبھی کبھی شیخ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے شیخ بہت شفقت و محبت سے
پیش آتے تھے اور اپنے چاندی کے کھٹولے پر جیسر کسی کو بیٹھنے دیتے تھے ٹھا لیا کرتے تھے
اور رخصت کے وقت دعا کے ساتھ کچھ بطور تحفہ از قلم جوہرات اشرفی وغیرہ کے دیا کرتے تھے
بعد وفات شیخ جب حساب کیا گیا تو قریب پالیس ہزار روپے کی اشیاء عیالیات شیخ سے نکلیں۔
بنارس کے قیام میں شیخ کے اخراجات معمولی نہ تھے بلکہ مثل امرا و شاہزادگان اخراجات

رہا کرتے تھے۔ ناظران کی تمام عمارتیں شیخ نے اپنے صرف سے بنوائیں مگر کسی کو آمدنی کا حال معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں سے آتی ہے۔ اس جگہ اکثر لوگ مختلف روایتیں بیان کرتے ہیں۔ کچھ لوگ دست غیب خیال کرتے ہیں بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ شیخ کا خدنگار سہمی و صفائی جن تھا اُسی کے ذریعہ شیخ کے تمام اخراجات ہوا کرتے تھے۔

نواب شجاع الدولہ جب بنارس آئے تو بنظر علم و فضل و بخیال عزت ایران شیخ کے قیام گاہ پر گئے۔ دروازے پر پہرہ دیکھ کر شیخ سے کہا کس در درویش را دریاں بناید۔ شیخ نے اندازہ استغنا فی البدیہ جواب دیا کس بیاید تا سگے نیاناید۔

شیخ کی طبیعت فن شعر گوئی میں ایسے تبحر اور ملکہ رکھتی تھی جس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے شیخ کے ہندستان آنے پر بڑے بڑے شعرا اپنے عمدہ عمدہ کلام بحلیہ اصلاح سنا تے تھے مگر شیخ اپنی تہذیب متانت سے سب کی تعریف کیا کرتے تھے۔ زیادہ اصرار ہونے پر اس طور سے الفاظ کو تبدیل کر دیا کرتے تھے جس سے حسن کلام و بلا ہوا جاتا تھا۔ کسی شاعر نے بظاہر اصلاح کی غرض سے یہ شعر سنایا مگر باطن میں بخیال اظہار کمال اپنے نزدیک چوٹی کا شعر پڑھا تھا۔

نخل از دوسے جاہم کہ دریں ظرف تنگ انچہ در کیہ خود داشت ہریا بنخشید
شیخ نے باعتبار مضمون آفرینی تعریف کی جب انکا اصرار ہوا تو صرف دو لفظ بدل کر لطف شعر کو دوبالا کر دیا
نخل از چشم جاہم کہ دریں ظرف تنگ انچہ در کا سہ خود داشت ہریا بنخشید
نجات کا تعلق چشم سے ہے نہ کہ دوسے اور کیہ لے کے نینے سے کا سہ والے کا دنیا زیادہ قابل تعریف ہے
ایک روز کسی شاعر نے شیخ کے سامنے اپنا یہ شعر پڑھا

سیہ چوڑی دوست آں نگار نماز میں دیدم بتناخ صندلی چیمیدہ مارے غبریں دیدم
شیخ نے کہا کہ اس طوالت کی کیا ضرورت ہے اسی قدر کہ دنیا کافی ہے کہ

سیہ چوڑی بادوست آں نگارے بتناخ صندلی چیمیدہ مارے

سنا جاتا ہے کہ مہدار فیح الدین سودا کا کلام شیخ کو بہت پسند آیا۔ جب شیخ ایران سے

ہندوستان میں آئے تو لوگوں سے پوچھا کہ شرعے ہند میں انہوں کوئی صاحب کمال بھی ہے
لوگوں نے سودا کا نام بتایا۔ سودا نے جب سنا تو خود شیخ سے لئے اُنکی قیام گاہ پر گئے اطلاق
کرائی کہ سودا حاضر ہے شیخ نے جوابے یا کہ سودا کہاں کیا کام ہے بازار میں جائے اور کلوخ
طفلاں کھائے۔ اُس وقت سودا نے کہلا یا کہ مرزا رفیع الدین مختص بہ سودا حاضر ہے۔ یہ کہ شیخ
نے بلوایا اور کلام سنانے کی فرمائش کی۔ سودا نے کہا کہ میں تو حضور کے کلام کا شتاق ہو کر
آیا ہوں۔ شیخ نے یہ شعر پڑھا

تاثیر تو زہرِ کرد کمانے بہ کیلئے یک صیدِ نیا سود زمانے بہ زینے
سودا نے تعریف کر کے فی الجملہ سکوت کیا اور یہ شعر پڑھا

نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا زانے میں ترپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

اُس وقت تک شیخ اُردو کے محاورہ (ترپنے) سے ناواقف تھے پوچھا (ترپے ہے) چہ معنی دارد؟ سودا
نے کہا اہل ہند طہیدین را ترپنا میگویند۔ شیخ نے سودا سے شعر کمر پڑھوایا۔ دوبارہ سننے پر
نہایت محفوظ ہوئے اور سودا سے بغلیہ ہو کر کہا تم نے تو قیامت کروئی ایک مرغِ قبلہ نما کہیا تھا
تم نے اُسکو بھی نہ چھوڑا۔

شیخ کا خادم رضانی جو بنارس میں شیخ کے ساتھ تھا اور کہا جاتا ہے کہ جن تھا بظاہر رضانی
خدا شکر بنا رہتا تھا، نہایت فی علم و قابل شخص تھا شیخ کے کلام موزوں کا جواب اکثر موزوں
دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ نے کہا ”رضانی گساں می آئند“ رضانی نے فوراً جوابے یا حضور
”تا کساں پیش کساں می آئند“۔ ایک روز شیخ حجرے میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے جب وظیفہ
سے فارغ ہوئے رضانی سے پوچھا کہ ”از شب چہ قدر گزشتہ باشد؟“ رضانی نے جواب دیا
کہ ”زلفش کمر رسیدہ باشد“۔ الغرض رضانی اور شیخ میں اس قسم کے سوال جواب اکثر ہوا کرتے تھے
ایک روز ایک رئیس کی ملاقات کو آئے۔ شیخ نے اپنے باغ کا لیو بطور تحفہ رضانی سے
منگوایا اور رضانی کو حکم دیا کہ پوست جدا کر کے لاؤ۔ رضانی نے لیو لا کر رئیس سے پوچھا کہ حضور

کو ترش پسند ہے یا شیریں؟ رئیس نے ہنس کر کہا کہ ایک ہی تو لیمو ہے، پھر ترش شیریں کی تفریق کیسی؟ رضائی نے جواب دیا کہ آفتاب کی طرف کا حصہ شیریں ہے اور دوسری جانب کا ترش رئیس نے جب دونوں جانب چکھا تو واقعی ایک طرف شیریں اور دوسری جانب ترش تھا۔
شعر اور وسا جو شیخ سے ملنے آتے تھے شیخ ازراہ استغناء کی تعظیم نہ کرتے تھے۔ کیونکہ شیخ کو کسی سے کچھ طمع نہ تھی۔ ایک چاندی کے کھٹولے پر جو اپنے لیے مخصوص بنا رکھا تھا بیٹھے رہتے تھے اور اسپر کسی کو بیٹھنے نہ دیتے تھے۔

جس وقت شیخ بنارس میں مقیم تھے۔ بنارس میں ملا عبد اللہ معروف بہ ملا محمد عمر شتعلی سابق بناری شاگرد مولوی سراج الدین علی خاں آرزو اکبر آبادی بھی موجود تھے ان دونوں صاحبوں میں سلسلہ ارتباط و محبت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ملا محمد عمر روزانہ شیخ کی قیام گاہ پر جایا کرتے تھے اور جو کچھ تصنیف کرتے تھے شیخ کو سنایا کرتے تھے اور شیخ جو کچھ موزوں کیا کرتے تھے وہ ملا کو سنایا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ ایک ہی طرح میں دونوں صاحب طبع آزمائی فرماتے تھے۔ چنانچہ شیخ و ملا کی ہر طرح غزلیں درج ذیل ہیں

غزل شیخ علی حزیں

لے لے ہراسیرے کز یاد رفتہ باشد	درد ام ماندہ باشد عیا د رفتہ باشد
آہ از دسکہ تنہا با داغ او چو لالہ	درخون نشستہ باشد چوں باد رفتہ باشد
خوفش بتین حسرت یارب حلال بادا	صیدے کہ از کندت آزاد رفتہ باشد
از آہ و درد تا کے سازم خبر دولت را	روزے کہ کوہ صبرم بر باد رفتہ باشد
رحمت بر اسیرے کز گرد دام الفت	با صد امید واری نا شد رفتہ باشد
شادم کہ از قیاباں دہن کشتاں گذشتی	گوشت خاک ماہم بر باد رفتہ باشد

پرسوزا از حزیں است امر و ذکر و محسرا

مجنون گذشتہ باشد فر باد رفتہ باشد

غزل ملا سابق بنارس

جانش چنان بحسرت نمانا درفتہ باشد کز ہجر بربول اوسید اورفتہ باشد
فریاد وارحم است بریدے کہ اورا بایں جان شیریں برباد و رفتہ باشد
از خارزار امکاں ہرکس کہ چید اماں چوں سروزیں گلستاں آزا درفتہ باشد
بر حال زار صیدے رحمت کو بحسرت در دام جاں سپارد صیاد و رفتہ باشد
اے دلے بر غریبے با یک جہاں تنہا در وقت جاں سپردن از یاد و رفتہ باشد

سابق سبوز آور دایں مصرع حز نیم

مجنون گذشتہ باشد فریاد و رفتہ باشد

ایک روز شیخ سے کسی نے پوچھا گیا کہ اسگویند؟ اتفاق سے ملا محمد عمرؒ بھی اُس وقت موجود تھے۔ شیخ نے کہا کہ از ملا پرس۔ ملا نے کہا گیا ملاؤ کی ایک قسم ہے اور صرف یہی کہہ نہیں خاموش ہوئے بلکہ اسکی مفصل کیفیت مع ترکیب تیاری بیان کو ہی شیخ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ نے کھایا ہے؟ ملا نے کہا میں نے کھایا تو نہیں جو مگر اسکی کیفیت مجھے معلوم ہے۔ شیخ نے کہا کل میں آپ کو گیا کھلاؤں گا۔ دوسرے دن شیخ نے ملا کو گیا کی دعوت دی اور ملا کے ساتھ بہت لوگوں کو مدعو کیا۔

شیخ کا کلام اُنکے مرنے کے بعد جس قدر دستیاب ہوا وہ ”کلیات حزین“ کے نام سے مطبع نامی منشی نوکشورؒ ۱۲۹۳ھ ہجری میں چھپا ہے۔ کلیات میں علاوہ غزلیات کے قصائد مثنویاں و رباعیات وغیرہ بھی ہیں اور کچھ حصہ شریک ہے جس میں شیخ نے اپنے اور اپنے اساتذہ کے حالات درج کیے ہیں۔ چند اشعار شیخ کے کلیات مذکور سے انتخاب کر کے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

باد صبا فسانہ زلف تو ساز کرد پنہام آشنای شب مارا دراز کرد
گردید قسمتم ز ازل عشق شعلہ خو ساقی مرا بجرعہء جاگہ از کرد
افزون شد از بہار خط شور عاتقان نیز نگ باغ نالہ مرغاں دراز کرد



پیانہ کہ چشم تراست ناز کرد

منا سے لب بقصہ رازناں حمزین

نواں حدیث شوق بمر دراز کرد

از شورِ نالہ ام دلِ جانِ خبرِ نداشت
آن شاخِ گلُ زمزمِ خوشِ الحانِ خبرِ نداشت
بہودہ سینہ بر در و بامِ نفسِ ندیم
صبا و مازِ حالِ اسیرِ انِ خبرِ نداشت
شورِ بدہ را بر قدمِ خار و گلِ کلیت
یل از بندِ پستِ بیابانِ خبرِ نداشت
ہرگز نیکو رفت کسے را حرفِ خویش
صبرِ من از قافلِ جانانِ خبرِ نداشت

در موجِ خیزِ فتنہ حمزین آرمیدہ ام

آپ گہرِ زشورشِ طوفاںِ خبرِ نداشت

بر ہر زمیں کہ جلوہ کنی آسمانِ کنی
می زیدت کہ نازِ بکونِ سکاں کنی
ہر جا کشتائی از بچے دلِ زلفِ پرنگن
مرغانِ سدرہ را ہم بے آشیان کنی
شکلیں شود غزلِ نگاہتِ بیکِ نظر
لے کاش حبیبِ نجاتِ مرا سزاں کنی
لے عند لبِ با تو مرا حقِ صحبتِ است
خواہم کہ خاکِ تربتِ اگلفشاں کنی

گر دو طائرِ دامنِ دستِ جنوں حمزین

خونابہ کہ از رگِ مرگاں روان کنی

اکثر کلامِ شیخ کے دوسرے نسخوں میں ملتے ہیں مگر کلیات میں نہیں طبع ہیں۔ چنانچہ ذیل کی غزل جو شیخ نے اپنے حسابِ حال لکھی ہے تاجِ بنارس میں درج ہے۔

چشمِ کشودہ است در فیضِ نو بہار
از دلغِ ریختست و لم طرحِ لالہ زار
منتِ خدے را کہ بعونِ عنایتش
منتِ پذیرِ نیتیم از خلقِ روزگار
مرہونِ منتی نیم از فیضِ بحرِ و بر
ممنونِ قطرہٗ نیم از ابرِ قوسِ بار
ہمتِ براں سراست کہ خرگہ بر من نہ
از تنگنا سے عرصہٗ ایں نیلگوں حصار

در کو دکی کہ بود دلم مائل ہنر
 جو شید ذوق شعر طبع گہر شار
 ہر مصرع ز زلف رسا و لہریب تر
 ہر لفظ ام بہ شوخی خال عذاریار
 حسن بلاغت و نیک گفتگوئے من
 شور سے ٹکند در دل عشاقِ بقیار
 صوفی بخا نقاد سر اید گفتہ ام
 مطرب بہ ساز بزم ز شعر م کشیدار
 ہر صنمہ راز سنبل و دریاں چین چین
 مرغول زیر خامہ من رنجیت یادگار
 معنی بہ حشمتے کہ بود بحر پر شکوہ
 لفظش بچودتے کہ بود موج چو ببار
 پیرایہ قبول و صفا ہے نفس محسب
 شرمندہ نست گہاے آبگون
 گاہے مگر بخاطر آیندگان رسم
 پُروردہ من ست سخناے آبدار
 اکنون مانند است بدل ذوق گفتگو
 مادر گذرگہ و سخن ماست پائدار
 کو تا ہی از من و کرم از آفریدگار

خامش خمیس کہ نامہ پایاں رساندہ

وقت بہت خامہ را ٹکند دستِ عشرہ دار

شیخ نے بحالتِ قیام بنارس، بنارس و اہل بنارس کی شان میں باعتبار مذاق شاعری فرمایا کہ
 پری رُخان بنارس بصد کرشمہ رنگ
 پے پرستش ہمدیو چوں کند آہنگ
 بگنگ غل کند وہ رنگ پاماند
 زہے شرافتِ ننگ نہی لطافتِ گنگ
 ایران سے شیخ کے کسی دوست نے شیخ کو خط لکھا کہ کیا اب بنارس ہی میں رہو گے وطن
 ماکوف کو نہ آؤ گے تو شیخ نے اُسکے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا۔

از بنارس نہ روم معبد عام است اینجا
 ہر برہمن پسر چچن رام است اینجا
 جب شیخ بنارس میں مقیم تھے تو اسی اتنا میں سید غلام حسین خاں ابن سید ہدایت علی خاں
 صاحبائے مولف سیر المتاخرین بنارس میں آئے اور حسب سفارش ڈاکٹر فلرٹن صاحب،
 صاحبِ کلاں کی مصاحبت میں مامور ہوئے۔ یہ بھی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے

علم و تقویٰ کی وجہ سے شیخ ان سے بہت خوش رہتے تھے۔ اتفاقاً سید غلام حسین خان کے اولہ بیار ہو کر دنیا سے رطت کر گئے۔ ۳۰ جمادی الثانی ۱۱۸۵ ہجری کو جب سید غلام حسین خان نے یہ خبر سنی اور اپنے وطن حسین آباد مونگیر بغرض انتظام جاگیر جانے کا قصد کیا تو شیخ نے اُسے کہا کہ میری عمر کے خاتمہ کا اب بہت تھوڑا زمانہ رہ گیا ہے بہتر ہوتا کہ تم اُس وقت یہاں موجود رہتے۔ مگر سید غلام حسین اند ضرورت کی وجہ سے نہ رُک سکے اور اپنے وطن چلے گئے۔ وہاں جا کر سند جاگیر جو ران کے والد سید ہدایت علی کے نام تھی، مہاراجہ شاہ اسے منتظم ریاست مرشد آباد کی سرکار سے اپنے نام تبدیل کرائی اور انتظام جاگیر میں ایک سال تک مصروف رہے بنارس نہ آ سکے۔

ادھر شیخ علی حزیں نے پندرہ سال تیار بخ ۱۱۸۵ جمادی الاول ۱۱۸۵ ہجری بمقام فاطمان بنارس دنیائے دوں کو چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اور جو قبر بختہ شیخ نے اپنی زندگی میں اپنے لیے بنوا رکھی تھی اُسی میں دفن ہوئے۔ قبر سنگی ہے۔ محرم و شہائے رشتان المبارک میں شیعہ اصحاب جمع ہوتے ہیں اور مجلس عزاء ہوتی ہے۔ شیخ کے سنگ قبر پر جو الفاظ لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔ لوح قبر پر ”حسن قداک لیسٰی“ کے بعد شیخ کا نام ان لفظوں میں تحریر ہے۔ ”العبد الراعی رحمۃ ربہ محمد المدعو بہ علی بن ابی طالب الجملانی ہر دو پہلو میں یہ دو شعر ہیں جو شیخ نے پہلے سے کھمک سنگ قبر پر کندہ کرنے کا حکم لے رکھا تھا۔

زبانہ ان محبت بودہ ام و گریہ نید اغم	ہمدانم کہ گوش از دوست پناہ شنید اچھا
خمریں از پائے رہ چلا بے سگری دیدم	سر شوریدہ بر بالین آسایش رسید اچھا

اور پائین قبر میں یہ شعر ہے :-

روشن شد از دصال تو شہائے تار و ما
صبح قیامت است چراغ مزار ما

کتاب مفاح التواریخ میں شیخ کی تاریخ وفات یوں درج ہے :-

تھی گشت ہیہات روسے ز میں ز شیخ محمد علی حزیں

ایک قطعہ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی لکھا ہے مگر اس میں ایک عدد کم ہوتا ہے۔

علامہ عصر و شاہِ عمرِ خوب افسوس کہ از میانِ ہر خاست
تاریخ و فاتِ اَدَنُوشتم از فوتِ حزیں حزیں دل ماست

پچھلے سال ترحیل و فوتِ حزیں نوشتم غم جاودانِ حزیں

قبرستانِ قاطان میں شیخ کی قبر کے بعد رفتہ رفتہ مسلمانانِ شہر کی ہزار ہا قبریں پختہ و خام اندر احاطہ قاطان ہو گئی ہیں اور ہوتی جا رہی ہیں خصوصاً شیعہ اصحاب کی قبریں بہت ہیں۔
الغٹ صاحبِ کشتربارس کی بی بی ہندوستانی تھیں وہ بھی یہیں دفن ہیں اور آخر اجات مجلس وغیرہ کے لیے کچھ جائداد بھی وقف کی ہے۔ کشتربارس صاحب کے حکم سے پچھلا کھانا قاطان کا تیار ہوا ہے اس پر یہ اشعار کندہ ہیں:-

صاحبِ کلاں بہادرِ میدانِ سربوی افراتِ این بنا کہ با نوح سار سید
بابِ کرم کشتاد کہ تاریخِ سال او دروازهٴ عظیم زہر سونداری سید

دوبی مقدرتِ شیعہ احباب صد ہا روپیہ دیکر احاطہ قاطان کے اندر قبر کی زمین مول لیتے ہیں۔
عشرہِ محرم کے روز مرد و عورتوں کا بہت بڑا مجمع ہوتا ہے اور یہ مجمع صرف احاطہ قاطان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دورِ تہک سڑکوں اور گلیوں میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ شہر کے زیادہ حصے تعزویں کے عین دفن ہوتے ہیں۔

عاصی

غلام حسین خاں حنفی آفاق بارس

(رام نگر - بارس)

مولوی عبدالرزاق	مولوی سید علی گلبرگی	ڈاکٹر اقبال	خواجہ حسن نظامی	مولانا اشرف علی	حکیم محمد علی خاں
نظام الملک علی محمد	مدن بند	لت بیضا	سیارہ دول	نظر الیقین	عبرت کامل
البراکہ	سید حسن دہلوی	شیخ دشاغر	روزنامہ انصاریہ	تعلیم الدین	حسن سرور
مولوی غلام علی مرحوم	عربی کا فن تعمیر	جلال	بلاتصویر	کبیر فی ثبات التقیہ	دیول دیوی
نشان الایمان	سفرنامہ سید قیوفا	شکوہ	روزنامہ	الانباہات المقیدہ	گورا
تحقیق لکھنؤ	حاجی اسماعیل خاں	جواب شکوہ	تغیر مرد و قمر	اصلاح الرسوم	نیل کا سانپ
انظم نظام وجد	فلاح دارین	فریاد مرث	رسول کی عہدی	کلید شہی	حضر عباس
سلام کی نئی تفسیر	مالیات زمین	تصویر درد	پیارے ہیکڑی	مناجات مقبول	انتر حسیہ کامل
حضرت سلیمان	تربیت لدجاج	کمل ترانہ	گاما خاقون	ادوات و نفاوس	مولوی شہیر الدین احمد
حضرت ہاجرہ	خدا عفا	مفتی انوار الحق	اسلام کا انجام	فتاویٰ اشرفیہ	تاریخ حیا پور جلد ۱
حقیقہ السحر	نظم نعت	تاریخ ابو البشر	یومی کی تعلیم	بشتی زہر	نفا طرہ
یورپ قرآن	مولوی حبیب الرحمن خاں	حقائق اسلام	انتخاب توحید	جزاۃ الاعمال	عصا سپری
احسان عام	علمائے سلف	انجاد حبیب وجود	سیلا نامہ	فرع الایمان	اقبال وطن
سید محمود مرحوم	اسلامی اخلاق	وقت خیال	کرشن مینی	الکشف حصہ ۱	حسن معاشرت
کتاب الخلاق	ذکر الحبیب	ہونو خانداری	اردو دھامیں	اصلاح ترجمہ دہلی	نیاز فتح پوری
کتاب انفعہ	ذکر جمیل	سید راحت حسین	فلسفہ شہادت	حافظ عبدالرحمن اعظمی	ایکشا عکا انجام
کچھ	مولوی عزیز محمد مرحوم	افقر	فدائی کے گمانے	سفرنامہ بلاد اسلامیات	عائشہ صدیقہ
شرح قانون شہادت	خیالات عزیز	افضل	چنگیزی	الصدقین	عذبات بھاشا
خلیفہ محمد حسین مرحوم	وکرماروی	مسٹر ظفر علی خاں	چچن کی تمنا	الرفعتی	سیاہ اکبر آبادی
اعجاز اقترب	مفتی سعید محمد شری	میر غلام	اسرار	سیاحت ہندوستان	عربی پول مال
سفرنامہ ہندوستان	انوار اکبری	خیالات	کم ٹو موت	کتاب العرب	تبت الرسول
تاریخ پٹنہ	حیات خسرو	سیر غلام	سیر دہلی	کتاب النحر	جام کوثر
مسٹر ظفر عمر	حیات صالح	نیر غلام	مولانا راشد الخیری	کتاب النحر	پشتی بھومر
مستقبل اسلام	نساہتیں	دلچسپ داستان	منازل لسانہ	مولوی سید جان ندوی	مولوی صباح الدین احمد
پولیس بین	پنار خیر	فلسفہ ابن سینا	شام زندگی	ارض القرآن	البارون
نیلی چھتری	امرے ہندو	معاشرت	الزہرا	نفاستہ جدیدہ	مخالفین پرشیا
			سار و خاتمہ عالم	کتابت بی احمد	مصباح الادب

الناظر کب ایسی لکھنؤ

مشہور مصنفین لکھنؤ کی کتابیں

مولانا عبدالحلیم شرر	میدو فتح	منشی سجاد حسین موم	جلال مرحوم	مولانا عبدالحلیم شرر	منشی حسین قدانی
جہانگیر خاں	شوقین ملک	حق انبیین	مضمونہا کش	اسد انخاب ۸ جلد	ذکر طحیحہ عربی
ابو کریم شہیدی	ملک الغریز درخشا	عاجی بقول	نظم نگارین	علم فقہ ۶ حصے	نشر
خواجہ حسین لدین	دوست و منجہ	پاری دنیا	افادہ تاریخ	علا مہ سید احمد	معرض حال
عمر قدیم	زیاد و ملادہ	طسمی غاوس	رسالہ ذلیر وراثت	علا مہ سید احمد	جذب دل
دولت ہسپانیا	روئے الکبری	طرصار لونڈی	منشی احمد علی شوق	علا مہ سید احمد	حاکم و حاکم
حدیب ملیبیہ	فلور افروزندہ	میٹھی چھری	ترانہ شوق	فہمیت	منشی سید علی ناطق
تاریخ سندھ	زمانہ اور اسلام	کاپا پلٹ	قاسم وزہرہ	فن کیٹری	غوث شاق
قرۃ العین	خرد و سر بریں	پندت بن پندت شرر	عالم خیال	خواجہ عشرت	انجمن آرا
تاریخ ہند	آسمان کی تباہی	پندت بن پندت شرر	سیکشن لوسی	زبان دانی	سافر و شقی
سیح اور سیت	پرانس کی مصیبت	پندت بن پندت شرر	منشی احمد علی مرحوم	اصطلاح زبان اردو	اسٹیل وزہرہ
لکھنؤ زنبیر	خسک ڈاکو	پندت بن پندت شرر	تاریخ تمدن	منشی عاشق حسین	مجموعہ فرانس
انکم الکفایہ	دیار حرام پور	پندت بن پندت شرر	شاب لکھنؤ	منشی عاشق حسین	شہر شہنشاہ
آغا کی صاحب	خوناک محبت	پندت بن پندت شرر	مرغ اودہ	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
سکینہ بنت جبریل	الغاسو	پندت بن پندت شرر	مسٹر عبدالمجید	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
مخدرات جلد	فیانا	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
تذکرہ شاہیر عالم	فاغ مفتوح	پندت بن پندت شرر	مسٹر عبدالمجید	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
درگش ندنی	نہشت کی موتی	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
حسن بن جلیل	سرکشی کی کہیں	پندت بن پندت شرر	مسٹر عبدالمجید	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
انسان تیس	جواہر حق	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
مقدس نازین	بابک غری	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
قیس لدنی	نسخ اندلس	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
ایام عرب	ارکات و تہذیب	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
حسن اغیار	میرزا محمد اوی رولا	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
میدو فتح	امرا و جان آدا	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
نہید وفا	لیلیہ مجنون	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
دکھش	نور و بار	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل
دلچسپ کائن	نور و بار	پندت بن پندت شرر	تاریخ ہندوستان	منشی عاشق حسین	منشی علی کل

الظہر باب الحسب لکھنؤ